اسباب بیان کرکے ان کی قرآنی تدبیرین بتائی گئی ہین اس لئے ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے،

مشکوٰۃ الصلوات مرتبہ جناب پروفیسر مولوی محمد الیاس صاحب برنی تقطیع اوسط، ضخامت :- ۱۵۰ صفحے، قیمت: ۶؍ پتہ :- (۱) مرتب بیت السلام سیف آباد حیدرآباد دکن (۲) شرف الدین واولادہ تاجر کتب نمبر ۲۹، محمد علی روڈ بمبئی (۳) تاج کمپنی تاجر کتب لاہور پاکستان،

فاضل مرتب نے عرصہ ہوا، کلام مجید، کتب احادیث اور صلحاء و اخیار کی معتبر کتب اوراد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و شمائل، درود وسلام اور ماثورہ دعاؤن کا ایک مجموعہ مشکوٰۃ الصلوٰۃ کے نام سے مرتب کیا تھا اور پڑھنے والون کی سہولت کے لئے ہفتہ کے حساب سے سات جزون مین اس کو تقسیم کر دیا تھا، یہ مجموعہ اتنا مقبول ہوا کہ اس کے کئی اڈیشن شائع ہوئے یہ نیا اڈیشن خوبصورت ٹائپ مین چھپا ہے، ٹائٹل بھی دیدہ زیب ہے، اور حسن ظاہر و حسن معنی دونون حیثیون سے خوش اوقات اصحاب ذوق کے ورد مین رہنے کے لائق ہے،

اردو ہندی ٹیچر، از جناب محمد ابو القاسم صاحب حیدری، تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۸ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۸؍، پتہ جلیل اکیڈمی، بریلی،

جب سے ہندی حکومت کی زبان قرار پائی ہے، اور اس کا سیکھنا ضروری ہو گیا ہے، اس وقت سے اردو خوانون کی ہندی سے ابتدائی واقفیت کے لئے متعدد اردو ہندی ریڈر شائع ہو چکی ہین، اردو ہندی ٹیچر بھی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، اسی قسم کی کتاب ہے، اس سے ابتدائی ہندی آسانی کے ساتھ سیکھی جا سکتی ہے،

"م"

جلد ۶۲ ماہ ذیحجہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۷ء عیسوی عدد ۴

مضامین

مقالات

باب المراسلہ

ادبیات

اعلان

ملک کے فسادات اور تقسیم ہندوستان اور بعض اور وجوہ سے بعض خریداران معارف اپنے مستقر کو چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو گئے ہین اسلئے معارف کے بہت کافی پرچے واپس آرہے ہین اسلئے گذارش ہے کہ خریداران معارف اپنے موجودہ پتہ سے دفتر کو جلد از جلد مطلع کر دین نیز اپنی ڈاک کی حفاظت کا انتظام کرلین تاکہ دفتر کو دوبارہ پرچہ بھیجنے کی دشواری نہ ہو معارف ڈاکخانہ کے قاعدہ کے مطابق ہر مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو نہایت پابندی سے شائع ہو جاتا ہے، اگر خدانخواستہ اسکے خلاف کبھی ہوا تو خریدارون کو بذریعہ کارڈ اسکی اطلاع دیدیجائے گی، اب تک تو بحمد اللہ کبھی تاخیر نہین ہوئی،

شذرات

افسوس ہے کہ ۱۱ر ستمبر ۱۹۴۸ء کی شب کو قائد اعظم محمد علی جینا کا کراچی میں بہتر برس کی عمر میں انتقال ہو گیا، پاکستان، ہندوستان اور عالم اسلام نے اس حادثہ پر بڑا صدمہ محسوس کیا، دوسرے دن عصر کے وقت کئی لاکھ کے مجمع میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور تدفین عمل میں آئی، عام مسلمانوں میں اُن کو جو ہر دلعزیزی حاصل تھی اس کا اثر یہ ہے کہ ہندوستان اور اکثر اسلامی ملکوں، ریاستوں اور شہروں نے ان کا ماتم کیا، اور اُن کے لئے قرآن خوانی اور مغفرت کی دعا کی گئی،

———— ————

مرحوم کے سیاسی کارنامے آفتاب کی طرح روشن ہیں، وہ بڑے قانون دان، بڑے مناظر، اور اجتماعیات کے بڑے نبض شناس تھے، اور اپنے پیروں پر بلا کا اثر رکھتے تھے، اُن کی بڑی خصوصیت اپنی بات پر جم کر دوسروں سے اپنی بات منوانے کی قوت تھی، انھوں نے اپنی اس قوت کا مظاہرہ پاکستان کے مطالبہ میں پوری طرح کیا اور بالآخر کامیابی حاصل کی اور ایک ایسی حکومت قائم کی جس کا دعویٰ ہے کہ وہ اس وقت سب سے بڑی اسلامی حکومت ہے، اور آبادی کے لحاظ سے دنیا میں اس کا پانچواں درجہ ہے،

———— ————

ہندوستان کی سیاست میں مرحوم کا بڑا حصہ ہے اور ۱۹۱۶ء سے لیکر جب لیگ اور کانگریس میں انکی کوشش سے مشہور پیکٹ ہوا تھا ۱۹۲۰ء تک سوائے ان چند سالوں کے جب وہ ترک موالات کی تحریک میں کانگریس سے الگ ہو گئے، ہمیشہ ایک لیڈر کی حیثیت سے ملک میں ممتاز رہے، اُن کی نسبت اُن کے دوست اور دشمن ایک بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ نہ کبھی حکومت وقت سے ڈرے اور نہ جاہ و منصب کی کوئی حرص و طمع اُن کو اپنی جگہ سے ہلا سکی،

———— ————

مرحوم پاکستان کے بانی اور یہ کہنا چاہئے کہ اس کی کشتی کے تنہا ملاح تھے، ایسے طوفان حوادث کے موقع پر جب ہر ملک اندرونی و بیرونی خطروں سے گھرا ہوا ہے، اُن کی وفات حد درجہ افسوسناک ہے، یہ وہ وقت ہے جب پاکستان کے حکمران اُن رہنما مرحوم اپنی بے لوث خدمت، مخلصانہ کوشش، سادہ زندگی، ایثار، حب ملت، عاقبت اندیشی اور ذاتی اغراض سے بلند ہو کر باہمی اتحاد اور باہمی اعتماد سے پورے ضبط و نظم کو قابو میں لا کر اپنی مملکت کو نشوونما دے سکتے ہیں، اور تاریخ میں نئے شاندار کارناموں کا اضافہ کر سکتے ہیں ورنہ اُن کی ذرا سی غلطی اس نئے ملک کو ایسا سخت صدمہ پہنچا سکتی ہے جس سے وہ مدتوں تک عہدہ برآ نہیں ہو سکتا،

———— ————

مرحوم سے میری ذاتی ملاقات کبھی نہیں ہوئی، البتہ چار دفعہ اُن کو دور سے اور ایک دفعہ نزدیک سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، پہلی دفعہ میں نے انھیں اس وقت دیکھا جب ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاس تھے، اور وہ پہلی دفعہ مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے مسلمانوں میں ظاہر ہوئے، سابق مہاراجہ محمود آباد کی سرکردگی میں لکھنؤ نے ان کا شاندار استقبال کیا تھا،

———— ————

اس کے بعد دوسرے سال بمبئی میں لیگ و کانگریس کے اجلاس ہوئے، مسلم لیگ کے صدر مظہر الحق مرحوم تھے، اور جینا صاحب اس اجلاس کے بانی اور داعی تھے، لیکن مسلم لیگ کا یہ جلسہ جیسا کہ اس وقت سمجھا گیا انگریزی حکومت کے چند کارندوں کی شرارت سے درہم برہم ہو گیا، یہ مرحوم قائد اعظم کے دیکھنے کا دوسرا موقع تھا،

———— ————

تیسرا موقع یہ آیا کہ ۱۹۲۱ء میں خلافت کی تحریک کے زمانہ میں محمد علی مرحوم اڈیٹر کامریڈ کے ساتھ جینا صاحب کے دفتر میں جانیکا اتفاق ہوا جہاں دونوں لیڈروں میں اس وقت کے مسئلوں پر گفتگو ہوئی اور جس کا خاتمہ بالآخر ایک کی دوسرے سے علحدگی پر ہوا،

———— ————

اس کے بعد میں نے انھیں ناگپور کی کانگریس میں دیکھا جب ترک موالات کی تجویز کی مخالفت کے لئے وہ کھڑے ہوئے اور پورے جلسہ کی مخالفت کے باوجود وہ اپنی بات پر اڑے رہے، اور اس کے بعد وہ کانگریس کے اجلاس بلکہ کانگریس سے نکل گئے اور پھر اس میں شرکت

نہین ہوئے سالہا سال کے بعد ابھی دو سال ہوئے جامعہ ملیہ کی جوبلی مین انھین دیکھا اور اُن کی تقریر سُنی،

ایک بات زبان پر آکر رکتی نہین کسی کو پسند ہو یا ناپسند ہو اب یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کا بر اعظم ایک بار پھر دو ملکون مین بٹ گیا، اب ان دونون ملکون کی بقا اُن کے درمیان صلح و آشتی ہی پر ہو سکتی ہے، ان دونون ملکون مین ہزار ہا خاندانون کے لاکھون افراد بکھر گئے ہین ان کی سلامتی ان دونون ملکون کی سلامتی و خیر خواہی ہی مین ہے اس لئے ان دونون مین جتنا زیادہ باہمی اتحاد اور اعتماد بڑھے اتنا ہی انسانیت اور دنیا کے امن کے لئے مفید ہے،

حیدرآباد کا معاملہ جس صورت مین ختم ہوا اس پر افسوس ہے یعنی اس سے پہلے فریقین مین مصالحت کی جو تجویزین جس جس طرح سے بار بار پیش ہوتی رہین اگر ان مین سے کسی ایک تجویز پر بھی فیصلہ ہو جاتا، تو دونون کے لئے بہتر ہوتا اور دونون کی آبرو قائم رہتی مگر ہندوستان کو معاملہ سلجھانے کے لئے فوجکشی کرنی پڑی، جس سے بقول مسٹر پنڈت لوگون کو دنیا مین ہندوستان کے بدنام کرنے کا موقع ہاتھ آیا اور ادھر حیدرآباد کو زبان خلق سے سوء تدبر اور ناعاقبت اندیشی کا طعنہ سننا پڑا تاہم حیدرآباد کے اس آخری فیصلہ پر پورے ہندوستان نے اطمینان کی سانس لی اور ایک آتی ہوئی بلا سر سے ٹل گئی خدا کرے کہ یہ اس ملک کی آخری بلا ہو اور اب ملک مین امن و امان کا دور دورہ ہو،

زبان کے معاملہ مین کانگریس کے بعض تنگ نظر ممبرون کی رائے سے مرعوب ہو کر حکومت صوبہ متحدہ کا جلد بازی کا فیصلہ افسوس کے قابل ہے اس صوبہ مین جو زبان عام و خاص بولتے ہین اس کو ہندی اور وہ بھی سنسکرتی ہندی کہنا دن دہاڑے واقعات کا انکار کرنا ہے اور اس طرح اکثریت کا اقلیت پر جابرانہ حکم نافذ کرنا اس دستور کے خلاف ہے جس پر نیا ہندوستان اپنی حکومت کی بنیاد قائم کرنا چاہتا ہے اور اس سمجھوتے کے خلاف ہے جو گاندھی جی نے اپنی آخر زندگی مین برملا ظاہر کیا ممکن ہے کہ ہماری آواز پر آج کان نہ دھرا جائے اور ہندوستانی حکومت کے بجائے ہندو حکومت کا خواب دیکھنے والون کو منانے کے لئے صحیح سیاست و تدبر کا خون کیا جائے لیکن ہندوستان سے زیادہ کس کو یہ معلوم ہے کہ تاریخ کا باب ایک دن مین ختم نہین ہو جاتا، ع بد لتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے، کیا عجب ہے کہ کل کانگریس ہی کے اندر سے کوئی طاقت سچائی کی حمایت کے لئے کھڑی ہو جائے،

مقالات

تصوّف وسلوک کی تجدیدات

از

جناب مولانا عبد الباری صاحب ندوی

(۴)

تصوف سے توحش کی وجہ اسلامی تصوف کی اس حقیقت و ماہیت کے باوصف کہ وہ عین دین اور کمال اسلام کے سوا کچھ نہین جس سے دور ہو کر مسلمان بحیثیت مسلمان حسنۂ دنیا سے بھی دور سے دور تر ہوتے جاتے ہین پھر بھی اہل دنیا ہی کو نہین، بلکہ اُن سے بھی بڑھ کر بعض اکابر دین تک کو تصوف کے غیر دین یا طریقت کے خلاف شریعت ہونے، اور اس کی بدولت اس سے انکار و توحش کا بہت بڑا منشاء یہ ہوتا ہے، کہ حضرات صوفیہ کے بہت سے حقائق و معارف، اذکار و اشغال، مجاہدات و مراقبات، احوال و کیفیات، توجہ و تصرفات، کشف و کرامات، ترک لذات و تعلقات، بیعت و نسبت اور رسوم و عادات وغیرہ کی خاص خاص صورتون کا ان حضرات کو کتاب و سنت کی عام و منصوص تعلیمات مین بظاہر نام و نشان نہین ملتا، اور مغالطہ یہ ہو گیا ہے کہ تصوف و طریقت کی اصل و حقیقت یہی بدعات ہین،

سو تصوف کی اصل حقیقت کی نسبت تو حضرت مجدد کی تجدید کامل نے تمام و کمال واضح فرما دیا کہ وہ انسان کے ظاہر و قالب کی طرح قلب و باطن کی صلاح و اصلاح کے انہی احکام کا

عرفی و اصطلاحی نام ہے، جو ظاہر کے فقہی احکام کی طرح خود قرآن و حدیث میں منصوص ہیں، اور اس طرح تصوف مُلّاپن کے سوا کچھ نہیں، کسی موقع پر اس عرف و اصطلاح کے جھگڑے سے بیزار ہو کر فرمادیا کہ

"ہم نہیں جانتے درویشی کیا چیز ہے، یہاں تو مُلّاپن ہے، طالب علم ہیں، صاحب علم بھی نہیں، بس قرآن و حدیث پر عمل بتاتے ہیں، پھر اسی میں جو کچھ کسی کو ملنا ہوتا ہے مل جاتا ہے، اور ایسا ملتا ہے کہ مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر من امثالنا یعنی جو ہم جیسوں میں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا، نہ کسی قلب میں اس کا خطرہ تک گذرا، مگر ظاہر میں کچھ نہیں، نہ ہو حق، نہ حال و قال، نہ وجد و کیف، نہ کشف و کرامت، پھیکا پھیکا طرز ہے، جیسے سمندر کی مچھلی کہ نمک خود اس کے اندر ہوتا ہے، اوپر سے ڈالنے کی ضرورت نہیں، لیکن کھلتا پکنے کے بعد ہے، بس یہاں بھی اوپر کا نمک نہیں، اندر کا ہے، جو پکنے کے بعد کھلتا ہے[1]"

رہے اذکار و اشغال، مجاہدات و مراقبات وغیرہ کے ایسے صوفیانہ طریقے، جو بظاہر قرآن و حدیث میں مذکور یا اُن سے ماخوذ نہیں معلوم ہوتے، تو اس بارے میں حضرت مجدد کی تجدید و تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف کے دوست و دشمن، معتقد و منکر دونوں ایک مشترک غلطی میں پڑ گئے، کہ ان چیزوں کو تصوف کے مقاصد و غایات سمجھ لیا، حالانکہ اُن کی اصل حیثیت تدابیر و مقدمات یا آثار و ثمرات کی ہے، مقاصد تصوف یہ چیزیں قطعاً نہیں، اس لئے ان کو بدعات کہنا سرے سے بے معنی ہے، بدعت نام ہے "احداث فی الدین" کا، یعنی دین میں دین کا مقصد جان کر کسی نئی چیز کا اضافہ کرنا، نہ کہ احداث للدین یعنی مقاصد دین کے حصول کے لئے تجربہ کی بنا پر کسی نئی تدبیر کا اختیار کرنا، جیسے طب میں صحت کے حصول و حفاظت کے لئے نئی نئی تدابیر و ادویہ کا تجربہ اور اضافہ ہوتا رہتا ہے، ....

.... یا خود دین میں، مثلاً علوم دین کی حفاظت و اشاعت کے لئے مدرسے کھولنا، کتب خانے قائم کرنا، تصنیف اور ٹائپ میں کتابیں چھاپنا، درس و تدریس کے لئے نصاب تعلیم کی نئی

[1] اشرف السوانح حصہ دوم ص ۲۲۰۔

صورتیں تجویز کرنا، امتحانی سند دینا ظاہر ہے، کہ یہ سب باتیں نئی یا احداث ہیں، لیکن چونکہ احداث للدین ہیں، اس لئے نہ بدعات ہیں، نہ ان کو کتاب و سنت میں ڈھونڈنے کی ضرورت ہے،

مثلاً نماز میں خشوع (وَهُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ) اور حضور قلب (لا صلوٰۃ الا بحضور القلب) مقصود و مامور ہے، اور تجربہ سے ذکر و شغل یا مراقبہ وغیرہ کی کوئی خاص صورت و ہیئت اس مقصود کے حصول میں معین معلوم ہوئی، جس میں کوئی شرعی ممانعت یا قباحت بھی نہیں، تو اس کا خود ایجاد و اختیار کر لینا، یا غیر مسلموں اور دین کے دشمنوں تک سے اخذ و قبول کر لینا ایسا ہی ہے، جیسے جہاد کے لئے تیر و تفنگ کے بجائے بندوق اور مشین گن کا ان سے سیکھ بلکہ چھین لینا۔

صوفیہ میں ایک خاص شغل پاس انفاس کا ہے، جو بہت عام ہے، اس کی نسبت کسی طالب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ

"یہ اشغال میں سے ہے، اس سے یکسوئی ہوتی ہے، اور خطرات دفع ہوتے ہیں، اسی طرح ذکر کے مختلف طریقے ہیں، جس میں جس کو جمعیت ہو اختیار کرنا چاہئے، کیونکہ جمعیت گو خود مقصود نہیں، لیکن مقدمہ ہے حصول مقصود کا، اور مقدمات کا مقصود میں بہت دخل ہوتا ہے، اسی لئے مشائخ نے مقاصد کے لئے کچھ مقدمات تجویز کئے ہیں، اور اُن کو عملاً ایسی ہی اہمیت دی ہے، جیسی مقاصد کو،[1]"

لیکن ان مقاصد کے اصل ہونے کے بجائے مقدمات ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے، کہ مقاصد کی طرح ان مقدمات میں سے کسی خاص مقدمہ کو اختیار کرنا ہی لازم و واجب نہیں، اس لئے ارشاد ہے کہ

رہا یہ سوال کہ مختلف مقدمات میں سے کس کو اختیار کیا جائے، اس کا خود ہی فیصلہ کرنے یعنی جس میں جمعیت و دلچسپی زیادہ ہو وہی زیادہ نافع ہوگا اور یہ مسئلہ کہ جمعیت مطلوب و نافع ہے قواعد فن نیز تجربہ سے تو مجھے معلوم تھا ہی لیکن جی چاہتا تھا، کہ اس باب میں کوئی نص بھی مل جائے،

[1] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص ۳۴۶۔

اللہ کا شکر ہے کہ آج ہی کل میں اس کی دلیل شرعی بھی ذہن میں آگئی، حدیث میں ہے کہ اگر کھانا تیار ہو، اور نماز بھی تیار ہو، یعنی جب بھوک کا تقاضا ہو تو پہلے کھانا کھائے پھر نماز پڑھے، سو اس کی علت صرف یہ ہے کہ اگر پہلے نماز پڑھی تو طبیعت مشوش رہے گی، نماز میں جمعیت حاصل نہ ہوگی، اور اس کے عکس میں نماز تو جمعیت کے ساتھ ہوگی، اور کھانا تشویش کی حالت میں (کیونکہ نماز میں جی لگا رہے گا) حضرت امام ابوحنیفہ نے یہی وجہ عجیب عنوان سے بیان فرمائی ہے، کہ لان یکون اکلی کلہ صلوٰۃ خیر من ان یکون صلوٰتی کلھا اکلا، یعنی میرا کھانا اگر نماز بن جائے تو یہ بہتر ہے اس سے کہ میری نماز کھانا بن جائے، ہمارے حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس اصل پر ایک تفریع فرمایا کرتے تھے، اگر کوئی ہجرت کرکے مکہ معظمہ میں قیام کرنا چاہتا، اور حضرت کو فراست سے اس کا یہ مذاق معلوم ہو جاتا، کہ اس کو مکہ معظمہ میں ویسی جمعیت نہ ہوگی، جیسی ہندوستان میں ہے، تو اس کو ہجرت کی اجازت نہیں دیتے تھے، اور فرماتے تھے، کہ اگر ہندوستان میں جسم ہو اور مکہ میں قلب تو یہ اس سے اچھا ہے کہ مکہ میں جسم ہو اور ہندوستان میں قلب[1]،

سبحان اللہ کیا یہ کہنا! واقعی جو محقق صوفی ہیں، اُن کی نگاہ قرآن و حدیث کے مغز و تہ تک جاتی ہے،

غرض جتنے اشغال ہیں، وہ جمع خواطر ہی کے لئے ہیں، مقصود بالذات نہیں، اور اس میں مشائخ نے یہاں تک وسعت کی ہے، کہ بعض اشغال جوگیوں تک سے لئے ہیں، مثلاً حبس دم جو جوگیوں کے ہاں کا شغل ہے، مگر چونکہ یہ ان کا مذہبی یا قومی شعار نہیں، اور خطرات کے دفع کے نافع ہے، اس لئے اس کو بھی اپنے ہاں لے لیا ہے، اور اس میں کچھ حرج نہیں نہ اس میں تشبہ ممنوع ہے، کیونکہ جو چیز کسی دوسرے فرقہ کا نہ قومی شعار ہو، نہ مذہبی، محض تدبیر

[1] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص ۳۴۰

کے درجہ میں اس کو تدبیری کی حیثیت سے کسی نفع کے لئے اختیار کرنے میں کوئی محذور شرعی نہیں ہے، چونکہ حبس دم بھی دفع خواطر کی محض ایک طبی تدبیر ہے اس لئے اس کا استعمال جائز ہے، کیونکہ یہ اخذ محض تدبیر میں ہے نہ کہ کسی مذہبی یا قومی شعار میں،

"اور اس کے جواز کی دلیل خندق کا واقعہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کو چاروں طرف سے محدود و محفوظ فرمانا چاہتے تھے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، کہ ہمارے ہاں فارس میں شہر کے گرد خندق کھودتے ہیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیدیا، کہ خندق کھودی جائے اور خود بھی بہ نفس نفیس کھودنے میں شریک ہوئے، تو یہ انتظام و تدبیر فارسیوں کا کوئی قومی یا مذہبی شعار نہ تھا، محض ایک تدبیر تھی، اس لئے حضور نے اس کی اجازت دیدی[1]،

کثرت ذکر

باقی نفس ذکر جس کی کثرت و دوام پر تصوف میں اتنا زور ہے، کہ خود حضرت علیہ الرحمۃ نے تسہیل میں تصوف کے دو مرتبے ٹھہرا کر دوسرے یا اعلیٰ مرتبہ کا (ظاہر کی مندوب و مستحب طاعات کے ساتھ) دوسرا جزء باطن کو دوام ذکر میں مشغول رکھنا ہی قرار دیا ہے، ذکر کی کثرت و دوام خود قرآن و حدیث میں منصوص و متواتر ہے، اذکروا اللہ ذکرا کثیرا وغیرہ کے علاوہ الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبھم کی مشہور آیت ہی سے نہ صرف کثرت بلکہ دوام بھی ثابت ہے، اس لئے کہ آدمی کی کل تین ہی حالتیں ہو سکتی ہیں، یا کھڑا رہے گا، یا بیٹھا یا لیٹا، اور ان تینوں حالتوں میں ذاکر رہنے کے معنی سوتے جاگتے ہمہ وقت اور ہر حال میں ذاکر رہنے ہی کے ہو سکتے ہیں، محاورہ میں بھی کسی بات کا دھیان اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے رہنے کے معنی کثرت و دوام ہی کے ہوتے ہیں،

نیز اس آیت سے ذکر قلب کا بھی استنباط فرمایا ہے، اس لئے کہ کھڑے بیٹھے لیٹے آدمی بہت سے دوسرے کاموں یا باتوں میں لگا رہتا ہے جن کے ساتھ لسانی کے بجائے قلبی ہی ذکر ممکن ہے خصوصاً لیٹے

[1] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص ۳۴۰،

ہیں جب کہ اس میں سونے کی حالت بھی داخل ہو، پھر لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ نے ذکر قلب کی منصوصیت کو اور بھی واضح فرما دیا ہے، اس لئے کہ تجارت اور کاروبار کی مصروفیت کے اوقات میں بھی ذکر سے غافل نہ ہونا، قلبی ذکر ہی کی صورت میں ہو سکتا ہے،

راقم کی فہم احقر میں تو جو ذکر قرآن و حدیث میں مامور و منصوص ہے، وہ دراصل ذکرِ قلب ہی ہے، جس کے بغیر ذکر کی لغوی و معنوی حقیقت متحقق نہیں ہو سکتی، ذکر کے لفظی و لغوی معنی یاد دہانی یا یادداشت کے ہیں، اور کسی شی کو جب یاد کیا جاتا ہے، یا خود یاد آجاتی ہے، تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے، کہ ذہن کو اس کی جانب متوجہ کیا گیا یا از خود متوجہ ہو گیا، جب آدمی کسی بھولی ہوئی بات کو یاد کرنا چاہتا ہے تو اس کی حقیقت اس کے سوا کیا ہوتی یا ہو سکتی ہے کہ اس کی جانب ذہنی یا قلبی توجہ و التفات سے کام لے رہا ہے بلکہ زبان سے اس کا نام لینا سرے سے ضروری نہیں ہوتا، لہذا یاد دہانی یا ذکر دراصل نام ہے، مذکور کو دل سے یاد کرنے یا اس کی طرف قلبی توجہ کا نہ کہ محض لسانی تلفظ کا، البتہ زبان سے نام لینا یا لسانی تلفظ قلبی توجہ کا عام و آسان ذریعہ ہے، اسی لئے کسی بھولے بسرے یا مرے ہوئے دوست و عزیز کا نام ہمارے سامنے لیا جائے تو اس کی اور اس کے تعلقات کی یاد دل میں تازہ ہو جاتی ہے، یعنی قلب ان بھولی ہوئی باتوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، احادیث میں اٹھنے بیٹھنے سونے جاگنے، کھانے پینے، سنے چلنے، رنج و راحت، بیماری و صحت، عیادت و تعزیت دعوت و رخصت سواری و سفر وغیرہ غرض زندگی کے تمام چھوٹے بڑے احوال و مواقع پر اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت نعمت و مشیت وغیرہ کی یاد دہانی کے لئے جو اذکار مامور و ماثور ہیں، ان کا منشا یہی ہے، کہ دن رات ہر حال اور ہر موقع کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے خاص تعلق کی یاد دل میں تازہ ہوتی رہے، مثلاً کھانے کے بعد یہ دعا کہ الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین اور پہنتے وقت یہ دعا کہ الحمد للہ الذی کسانی ما اواری بہ عورتی واتجمل بہ فی حیاتی کا مدعا اس کے سوا اور کیا ہے، کہ ہم دل سے یہ سمجھیں کہ کھلانے پلانے پہنانے اوڑھانے والا اور رزق عطا فرمانے والا حقیقۃً اللہ ہی ہے اور ظاہری اسباب و وسائل محض ظاہری ہیں

ایک طالب نے متعارف ذکر و شغل سے اپنی نامناسبت کے ساتھ عرض کیا، کہ "البتہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ زندگی کے تمام چھوٹے بڑے کاموں میں، اس کے فعل و قدرت حکمت و مشیت وغیرہ کا کسی نہ کسی طرح ادراک و استحضار رہتا ہے، اور اگر اس کی رویت کا بھی کچھ استحضار رہتا ہے، تو اس سے قلب و جوارح سب کے اعمال میں بہت نفع محسوس ہوتا ہے"، جواب میں تحریر فرمایا،

"کیا یہ تھوڑا انعام ہے، یہی تو مقصود اعظم ہے، اذکار و اشغال متعارفہ اسی کا تو مقدمہ ہیں، اس کے ہوتے ہوئے مقدمات کی کاوش کی مثال بعینہ ایسی ہے، کہ کسی کو پکی پکائی روٹی مل گئی، اور وہ پھر بھی تمنا کرتا ہے، کہ خود پکاؤں" (تربیت السالک الندوہ صفر [illegible])

نیز قصد السبیل میں باطن کو دوام ذکر میں مشغول رکھنا تصوف کے اعلیٰ مرتبہ کا لازم جزو ٹھہرایا ہے، اس سے مراد بھی دل ہی کی یادداشت اور توجہ ہے، یعنی حق تعالیٰ کی یاد دل میں اس طرح بس جائے کہ زندگی کی ہر حرکت و سکون میں اس کی رضا و ناراضی، اس کی محبت و عظمت، اس کی سزا و جزا، عذاب و ثواب پیش نظر ہو، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ بجز بشری سہو و خطا یا غفلت کے دیدہ و دانستہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا چھوٹے بڑے معاصی کے قریب جانا اس کے لئے عملاً ناممکن ہوگا، اکبر الاعمال نام ایک وعظ میں ذکر کو سب سے بڑا عمل قرار دے کر ذکر کی اس حقیقت و علامت کو واضح فرمایا گیا ہے، کہ ذکر حقیقی سارے معاصی سے بچنے اور تمام اوامر کے بجا لانے کو مستلزم ہے،

"لوگ سوا لاکھ مرتبہ اللہ اللہ کہنے کو ذکر اللہ سمجھتے ہیں، مگر یہ بھی حقیقتِ ذکر نہیں، صورتِ ذکر ہے، اور ذکر کے آثار سے ہے، ورنہ اگر اس کو حقیقت ذکر حاصل ہوتی، تو یہ شخص دوسرے اعمال کا تارک نہ ہو سکتا، حالانکہ بعضے سوا لاکھ دفعہ اللہ اللہ کرنے والے بھی دوسرے اعمال سے معرا ہیں"

تصوف کی نسبت یہ علمی و عملی ایسی عام غلطی ہے کہ دوسروں کا تو ذکر ہی کیا، خود عام غیر محقق صوفیہ تک اسی میں مبتلا ہیں، کہ کثرت و دوام ذکر محض اسی لفظی و لسانی یا زیادہ سے زیادہ اصطلاحی قلبی ذکر

کو سمجھ لیا ہے، جس کو قلب کا جاری ہونا کہتے ہین، اس لئے ذکر کی اصل حقیقت ذرا اور توجہ و تفصیل سے سن لینا ضروری ہے، اسی وعظ میں فرماتے ہین کہ

ذکر کی حقیقت

بتلاتا ہون، اس کو ایک مقدمہ سے سمجھئے وہ یہ کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض مرتبہ شریف آدمی کے دل مین بعض جرائم کا تقاضا ہوتا ہے، جیسے چوری وغیرہ، چنانچہ بعضے شریف آدمی بھی چوری کرنے لگتے ہین، محض اسی وجہ سے کہ طبیعت کا تقاضا ہے اور یہ تقاضا اس وجہ سے نہین کہ ان کا پیشہ چوری کرنا ہے، بلکہ محض احتیاج کی وجہ سے کیونکہ احتیاج بُری بلا ہے، یہ انسان کو بُری سے بری جگہ لیجاتی ہے، ایک تو یہ منظر ہے اس کو سامنے رکھئے،

اب اس کے مقابل دوسری جماعت کو دیکھئے، کہ باوجود تقاضا و افلاس کے چوری نہین کرتے، چوری تو کیا کرتے، سرکاری مالگذاری کو بھی نہین ٹالتے، بلکہ اپنی زمین اور جانور بیچ کر مالگذاری ادا کرتے ہین، گو گھر مین فاقہ ہو جائے، اس مین غور کیجئے، کہ پہلی جماعت چوری پر کیون اقدام کرتی ہے، اور دوسری جماعت مالگذاری تک کیون ادا کرتی ہے، حالانکہ احتیاج و افلاس مین دونون برابر ہین،

وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ ان کو ایک چیز یاد آتی جو پہلی جماعت کو یاد نہین آتی، یعنی سزا و قید وغیرہ کی رسوائی، اور بس، اب سمجھو کہ ذکر کی حقیقت بھی یہی ہے، اور یاد بھی اسی کو کہتے ہین، محض علم کا نام یاد نہین، کیونکہ چوری پر سزائے قید و سزائے تازیانہ کا مرتب ہونا پہلی جماعت کو بھی معلوم تھا، مگر یہ سزا و قید اس کے پیش نظر و مستحضر نہ تھی، اس لئے وہ جرائم سے نہ رک سکی، اور دوسری جماعت کے پیش نظر اور پوری طرح مستحضر تھی، اس لئے وہ اقدام نہ کر سکی،

بہت بڑی غلطی

ایک اور بہت بڑی غلطی کا ازالہ فرمایا گیا ہے، کہ جنت و جہنم کی یاد کو حقیقی ذکر سمجھنا تو الگ رہا

حقیقی تصوف کے درجہ سے اس کو فروتر خیال کیا جاتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا جنت و جہنم پر نظر ہو، حالانکہ یہ عین عبدیت ہے، اور انبیاء علیہم السلام تک اس کی یاد اور رغبت و رہبت سے بے نیاز نہ تھے، البتہ غلبۂ حال سے معذوری ہے، یہ ایک شبہہ کے ازالہ کے لیے ارشاد ہوا کہ

"اس پر شاید یہ سوال ہو کہ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ جنت و دوزخ کی یاد ذکر اللہ ہے، حالانکہ یہ تو ذکر جنت و نار کا ہوا، اللہ کی یاد نہ ہوئی، جواب یہ ہے کہ ثواب کی یاد اللہ ہی کی یاد ہے، جیسے کہا جاتا ہے، کہ قانون کو یاد کرو، اس کا یہی مطلب ہے کہ قانون کا یاد کرنا ہی ہتکڑی اور جیل کا یاد کرنا ہے،

ذکر اللہ کے مراتب ہین

ہان یہ ضرور ہے کہ ذکر اللہ کے مراتب ہین، بعض کو محض ذات حاکم کی یاد کافی ہوتی ہے، اور جرائم سے بچنے کے لئے سزائے جیل وغیرہ کی یاد کی کوئی ضرورت نہین ہوتی، بلکہ بعض کو یہ بھی کہدیتا ہے کہ تم جو چاہے کرو تم کو سزا نہ ہوگی، پھر بھی اس کو حاکم سے ایسا خاص تعلق ہوتا ہے کہ مخالفت نہین کر سکتا، پھر بعض تو ایسے وقت مین ناراضی کے اندیشے سے مخالفت نہین کرتے، اور بعض کو یہ اندیشہ بھی نہین ہوتا، بلکہ حیا و شرم مانع ہوتی ہے، اور بعض کو یہ مانع بھی نہین ہوتا، یعنی حیا و شرم پر بھی التفات نہین ہوتا اس تعلق کا نام کچھ نہین

خوبی ہمین کرشمہ و ناز و خرام نیست   بسیار شیوہ ہاست بتان را کہ نام نیست

یا اس کا نام اگر کچھ ہے، تو تعلق ذات، بہرحال مراتب ذکر مین تدریج ضرور ہے، اب ہم کو دیکھنا چاہئے، کہ ہم کو کس قسم کا تعلق ہے، جیسا تعلق ہو اسی کے مناسب ذکر مین مشغول ہونا چاہئے،

فرق مراتب پر قرآن سے استشہاد

آگے ذکر کے اس فرق مراتب پر قرآن سے استشہاد ہے، جس سے ایک تفسیری مشکل بھی کیسی حل ہو جاتی ہے، فرماتے ہین، کہ

"اور یہ فرق مراتب ہی تو ہے جس کی وجہ سے حق تعالیٰ نے ذکر کی تاکید فرماتے ہوئے کہین تو

ذکر اپنی ذات سے متعلق کیا ہے، جیسے ولذکر اللہ اکبر اور کہین اسمائے حسنیٰ سے متعلق فرمایا ہے واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلاً، یہان مفسرین نے لفظ اسم کو مقسم کہا ہے، اگر مین کہتا ہون کہ زائد کہنے کی ضرورت نہین، بلکہ یہ تغیر عنوان مراتب ذاکرین کے اعتبار سے ہے،

مولانا ذکر کے اس فرق مراتب پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہین،

اے ز ہو قانع شدہ بر نام ہو   مست و لایعقل نہ از جام ہو

اس مین تنبیہ ہے کہ ذکر کا ایک درجہ وہ ہے جو ذکر اسمی سے ارفع واعلیٰ ہے، مگر دوسری جگہ تبلاتے ہین کہ ذکر اسمی بھی بے کار نہین، بلکہ نافع ومفید ہے، جس کو پہلا درجہ حاصل نہ ہو اسی کو غنیمت سمجھے،[1]

از صفت وز نام چہ زائد خیال   وآن خیالش ہست دلال وصال

یہان سے سمجھ مین آجائے گا کہ ذکر لسانی بھی بیکار نہین، گو دل متوجہ نہ ہو، اور یہ جو کسی نے کہا کہ

بر زبان تسبیح و در دل گاؤ خر   این چنین تسبیح کے دارد اثر

یہ غلط ہے مین نے اس کے رد مین کہا کہ

این چنین تسبیح ہم دارد اثر

صاحبو! غضب یہ ہے کہ کھٹائی مٹھائی کا نام لینے سے تو یہ اثر ہو کہ نام لینے سے منہ مین پانی بھر آئے اور خدا کے نام مین اثر نہ ہو! (ص ۲۳ و ۲۴)

صوفیہ کا اصطلاحی ذکر قلبی

پھر آگے صوفیہ کے اصطلاحی ذکر قلبی کا ذکر ہے کہ

"ایک بات اور کہتا ہون وہ یہ کہ متاخرین صوفیہ نے محض ذکر قلبی تجویز کیا ہے وہ بہت اچھی چیز ہے، مگر زیادہ دیر تک باقی نہین رہتا، دل ادھر ادھر چلا جاتا ہے، اور ذاکر سمجھتا ہے

---

[1] اور کمال جامعیت یہ ہے کہ اپنے اپنے موقع اور محل کے اعتبار سے تمام مراتب حاصل ہون، جیسے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام یا اُن کے اقرب واکمل غیر مغلوب الحال متبعین کو،

کہ مین ذکر مین مشغول ہون اسلئے مین تجویز کرتا ہون کہ ذکر لسانی کرنا چاہئے، اور اس مین توجہ قلبی رکھنا چاہئے، اگر کچھ دیر ذکر قلبی نہ رہے گا، تو لسانی تو باقی رہے گا، اور وقت ضائع نہو گا، خصوصاً میری اس تحقیق کے بعد کہ جو عمل خاص نیت سے شروع ہو، اس کی برکت وانوار مستمر رہتے ہین، گو وہ نیت مستحضر نہ رہے، اور گو توجہ باقی نہ رہے، اب جو ہم لوگون کے ذکر مین انوار نہین اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کو توجہ اور حصول نور کا قصد بھی نہین، اگر قصد ہو تو انوار ضرور حاصل ہون، پس اب یہ بھی کہنا صحیح ہے کہ این چنین تسبیح کے دارد اثر، یعنی جب حصول اثر کا قصد ہو، (ص ۲۶)

ذکر کے درجات

خلاصہ یہ کہ ذکر کا ایک درجہ یہ ہے کہ اللہ کے نام کو یاد کرو، دوسرا درجہ یہ ہے کہ بواسطہ نام کے ذات کو یاد کرو، تیسرا درجہ یہ ہے کہ نام کا واسطہ بھی نہ رہے، محض ذات کے ذکر پر قائم ہو جائے، اسی طرح تعلق کا ایک درجہ یہ ہے کہ اگر اس سے یون بھی کہدیا جائے کہ تم کو کسی گناہ پر سزا نہ ہوگی، جو چاہو کرو جب بھی احکام کی مخالفت نہ کرے، نیز اگر یون کہدیا جائے کہ تیرا خاتمہ کفر پر ہوگا، جب بھی اعمال مین کوتاہی نہ کرے، چنانچہ ایک بزرگ کو ذکر مین آواز آئی کہ جو چاہے کر تو کافر ہو کر مرے گا، وہ پریشان ہو گئے، مگر ذکر اور نماز وغیرہ نہین چھوڑی بلکہ شیخ سے جا کر عرض کیا، شیخ نے کہا کام مین لگے رہو، اس آواز سے پریشان نہ ہو، یہ دشنام محبت ہے،

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی   جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

محبت کا ایک رنگ

یہ بھی محبت کا ایک رنگ ہے،

کس را رسد نہ چون و چرا در قضائے ما   ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست

میرے والد صاحب بچون کو گود مین کم لیتے تھے، جب زیادہ محبت کا جوش اٹھتا، بچون کے گلے پکڑ کر دبا دیتے، جس سے بچے رو پڑتے، مستورات کہتین یہ تمہاری محبت عجیب محبت ہے کہ

بچون کو گود مین لینا، کھلانا تو نہین آتا، بس رولانا آتا ہے، مگر اُن کو اسی مین لطف آتا تھا، بعضکو بھی بچون سے مذاح کا شوق ہے جس مین بعض دفعہ اُن کو غصہ بھی آتا ہے، اُن کی یہ ادائین پسند آتی ہین، ایسے ہی بلا تشبیہ یون سمجھئے کہ بعض لوگون کو اللہ تعالیٰ محبت کی وجہ سے طرح طرح سے پریشان کرتے ہین، ان کا رولانا چلانا ان کو پسند ہے، کسی کا ہنسنا پسند ہے، اس کو ہنساتے ہین، کسی کا رونا پسند ہے اُس کو رُلاتے ہین،

ذوقہا دارم بہ یار بہانے تو | خوش نماید گریۂ شبہائے تو

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان است | بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان است

اس تفصیل سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا، کہ جنت و دوزخ عذاب و ثواب کو یاد کرنا بھی اللہ ہی کی یاد ہے، کیونکہ ذکر کے مراتب مختلف ہین، پس ذکر کی حقیقت یہ ہے، کہ جیسے بعض لوگ باوجود تقاضا کے چوری نہین کرتے، مالگذاری ادا کرنے مین سستی نہین کرتے، کیونکہ ان کو ایک چیز یاد آتی ہے، یعنی سزا و قید وغیرہ اسی طرح ایسی چیز کو یاد رکھنا جو معاصی (نافرمانی) سے روکدے اور طاعات (فرمانبرداری) پر کمر ہمت چست کردے تو ذکر اللہ (یا اللہ کی یاد) ہے اب اگر کسی کو جنت و دوزخ کی یاد معاصی سے روکے اس کے لئے یہی ذکر اللہ ہے اور کسی کو اللہ اللہ کرنا معاصی سے روکے اس کے واسطے یہی ذکر اللہ ہے اور جس کو مراقبہ ذات معاصی سے روکے، اسکے واسطے یہی ذکر اللہ ہے، اور جس کو یہ چیزین معاصی سے نہ روکین، اس کے لئے یہ حقیقی ذکر اللہ نہ ہون گی، بلکہ ذکر کی صورت ہون گی، اس کو اپنے مناسب حال حقیقی ذکر کسی محقق سے تجویز کرانا چاہیے مثلاً بعضون کے لئے نفس پر مالی جرمانہ معاصی سے مانع ہوتا ہے، ان کے واسطے یہی ذکر ہے، یہ حقیقت ہے ذکر کی، اور یہی جڑ ہے تمام طریق کی، بلکہ تمام شریعت کی،

ذکر ہی جڑ ہے تمام شریعت وطریقت کی | اس کے ثبوت مین مثالاً چند آیات مذکور ہین،

چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہین، اقم الصلوٰۃ لذکری اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ سے مقصود ذکر ہے، حج کے بارے مین ارشاد ہے فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام واذکروا اللہ فی ایام معدودات اور فاذکروا اسم اللہ علیہا صواف اور اگر غور کیا جائے تو تمام اعمال مین ذکر موجود ملے گا، یہ تو اعمال ظاہر کی چند مثالین تھین اب اعمال باطنہ مین غور کیجئے، تو وہان بھی ذکر موجود ہے، چنانچہ ارشاد ہے، اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم واذا تلیت علیہم آیاتہ زادتہم ایماناً۔ جس سے معلوم ہوا، کہ خوف وخشیت وہی معتبر ہے جس کا منشا ذکر اللہ ہو، یہ مقامات کا بیان تھا، کیونکہ اعمال ہی کو مقامات کہا جاتا ہے، اب احوال مین غور کیا جائے، تو ان مین بھی ذکر کو دخل ہے، چنانچہ ارشاد ہے، الا بذکر اللہ تطمئن القلوب[1] کہ اللہ کے ذکر ہی سے قلوب کو اطمینان ہوتا ہے، اطمینان کے دو درجے ہین، ایک تو مقام ہے، جو تصدیق واذعان کا درجہ ہے، اور ایک حال ہے جس کو سکون وانس سے تعبیر کیا جاتا ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلق اطمینان کے لئے ذکر اللہ کو سبب بتلایا ہے، اس لئے اس کے عموم مین مقام وحال دونون داخل ہین، اگر عموم سے استدلال نہو، تو مشاہدہ خود اس کی دلیل ہے، کیونکہ واقعی دل کو راحت اور چین ذکر اللہ ہی سے نصیب ہوتا ہے،

گر گریزی بر امید راحتے | ہم ازان جا پیشت آید آفتے

ہیچ کنجے بے دد وبے دام نیست | جز بخلوتگاہ حق آرام نیست

خلوتگاہ حق سے مراد اللہ کے ساتھ تعلق ہے، جو ذکر کی اعلیٰ فرد ہے،

ذکر کی حقیقت وصورت مین فرق وتمیز کے متعلق حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تجدید وتحقیق کی یہ تفصیل

[1] اس وعظ کے ضمیمون مین ذکر سے متعلق اور بھی بہت سی آیات نقل فرمادی گئی ہین،

باوجود کسی قدر تطویل کے ضروری واہم تھی، اس لئے کہ غیر محقق درویشون نے اسمی اذکار یا محض صورتِ ذکر پر اتنا زور دیدیا ہے، کہ ذکر کی حقیقت گم ہوکر رہ گئی، ماحصل حضرت کی اس مجددانہ تحقیق کا یہ نکلا کہ حقیقی ذکر وہ ہے جس مین بلا واسطہ (یا بواسطہ عذاب وثواب جنت ودوزخ وغیرہ) مذکور کا استحضار ہو، احقر نے اسی کو ابتدا مین یون عرض کیا تھا، کہ ذکر یاد کے معنی یہ ہین، کہ مذکور یعنی جس کی یاد آئے، یا جس کو یاد کیا جائے، قلب یا ذہن اس کی طرف متوجہ ہو،

اور اللہ تعالیٰ کی اس حقیقی یاد وذکر یا مذکور کی طرف توجہ اور اس کے استحضار کی علامت بلکہ لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے، کہ دیدہ ودانستہ نافرمانی یا معصیت کا ارتکاب یا فرمانبرداری وطاعت مین کوتاہی عملاً ممکن ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، رضا وناراضی یا عذاب وثواب ہمارے پیش نظر ہو، اور پھر ہم اس کی پروا نہ کرین، اس حقیقی یاد یا ذکر ہی کا نام حدیث مین احسان ہے جو محققین کے اسلامی تصوف کا منصوص نام ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اس طرح بجالاؤ، کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم اس کو نہین دیکھ رہے ہو، تو وہ تو دیکھ ہی رہا ہے، ظاہر ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی یاد نصیب ہوجائے کہ گویا یہ ہمہ وقت اس کے سامنے اور حضوری مین ہے، یا کم از کم اس کی رضا وناراضی عذاب وثواب ہی کا تصور ہے، تو بشری بھول چوک کے علاوہ کسی چھوٹی بڑی نافرمانی کی جرأت کیسے ہوسکتی ہے،

اسی آیت مین جس پر اکبر الاعمال کا یہ وعظ ہے، ولذکر اللہ اکبر کے بعد ہی دوسرا ٹکڑا واللہ یعلم ما تصنعون ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے، اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ جانتا ہے، اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد حقیقی معنی مین ہو، تو کم از کم اتنا تو پیش نظر رہنا ہی چاہئے کہ ہمارا ہر فعل وعمل اللہ کے علم مین ہے، اور وہ جان اور دیکھ رہا ہے، (وھی فانہ یراک) نیز ذکر اللہ کی حقیقت کو حاصل کرنے کا سہل طریقہ یہی ہے کہ اس کے حاضر وناظر یا عالم ورائی ہونے کا مراقبہ رہے، اسی وعظ کے آخری ضمیمہ مین ہے کہ

ذکر اللہ کے حصول کا طریقہ

"اس جملہ مین ذکر اللہ کی تحصیل کا طریقہ تبلایا گیا ہے، کہ اس مضمون کو پیش نظر رکھا جائے، کہ اللہ تعالیٰ کو میرے ہر عمل کا علم ہے، اس مراقبہ سے ذکر اللہ بسہولت حاصل ہوجائے گا، اور تمام اعمال کی تکمیل ہوجائے گی، کیونکہ ہمارے تمام اعمال کی کوتاہی کا سبب یہی ہے، کہ ہم اعمال کو بدون سوچے سمجھے ادا کرتے ہین، اگر یہ سوچ کر عمل کرین کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے عمل کا علم ہورہا ہے، کہ ہم کیسے ادا کررہے ہین، تو عمل اچھی طرح ہو، اور اگر یہ مراقبہ راسخ ہوجائے، تو معاصی سے اجتناب آسان ہوجائے، یہان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذکر اللہ کی حقیقت محض زبانی ذکر نہین، بلکہ وہ دوسری چیز ہے، جو مراقبۂ علم سے مثلاً حاصل ہوتی ہے، پھر خواہ مراقبۂ علم اس طرح ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر عمل کو جانتے ہین، اگر کوتاہی ہوگی، تو عذاب ہوگا، یا اس طرح ہو کہ محبوب کو میری عبادت کا علم ہے، تو مجھ سے اس حالت مین ناراض ہوگا، وغیرہ وغیرہ" (ص ۳۶)

غرض اگر حقیقی تصوف کا حقیقی ذکر میسر ہو تو مومن ومسلم کی زندگی کی ہر ہر حرکت اور ہر ہر سکون اور ساری زندگی ذکر ہی ذکر اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہی یاد ہے خواہ یہ یاد کسی درجہ اور کسی پیرایہ مین ہو، خواہ اس کے ثواب وعقاب کی یاد ہو، خواہ اس کی رضا وناراضی کی یاد ہو، خواہ اس کی ذات کی یاد ہو،

باقی حضرات صوفیہ کے ہان ذکر لسانی کا جو اتنا اہتمام ہے اس کا بڑا مقصد بھی یہی ہے، کہ اس ذریعہ سے قلب مین مذکور کی یاد رچ اور بس جائے، یہ نہ بھی ہو تو ادھر ادھر کی لغو وفضول باتون اور گپ زنیون کے بجائے نفس زبان ہی کا ذاکر رہنا کیا کم دولت ہے، اس کے علاوہ اگر لسانی ذکر کے ساتھ قلب مسلسل نہ بھی متوجہ رہے، تو بھی اگر صوفیانہ طریقون سے قلبی توجہ کے ساتھ ذکر لسانی کی مشق کی گئی ہے، تو دنیا کے دھندون مین انہماک کے باوجود زبان کی یاد کے ساتھ وقتاً فوقتاً قلب بھی ضرور کچھ نہ کچھ متوجہ ہوتا رہتا ہے، یون بھی اگر کسی کا نام زبان ہی سے ہر وقت اٹھتے بیٹھتے لیتے رہو تو دوسری مصروفیتون کے باوجود درمیان

درمیان دل میں بھی اس کا خیال آتا ہی رہے گا، اسی بنا پر حضرت مجدد تھانوی علیہ الرحمہ صوفیہ کے متعارف
ذکر قلبی کے مقابلہ میں (جس کے قلب کے ذہول یا عدم توجہ کا اندیشہ رہتا ہے) ذکر لسانی کی ترجیح و فضیلت
کے قائل تھے،

ذکر قلبی افضل ہے یا لسانی

ایک مولوی صاحب نے بعینہ یہی سوال پیش کیا، کہ ذکر قلبی افضل ہے یا لسانی؟

"فرمایا کہ ذکر کے متعلق مختلف احکام ہیں بعض لفظ کے ساتھ متعلق ہیں، ان میں ذکر لسانی
افضل ہے، باقی جو ذکر زبان سے نہ کیا جائے اجر اس پر بھی ہے، یہ ذکر قلبی ہے جس سے ہر وقت
قلب میں یاد رہے، مگر اس میں قوی اندیشہ رہتا ہے، قلب سے ذہول کا، اور ذکر لسانی میں
یہ اندیشہ نہیں، اسی اعتبار سے قلبی سے لسانی افضل ہے دوسری بات یہ ہے کہ اگر صرف قلب
سے ذکر کرے گا، تو زبان خالی رہے گی، اور اگر زبان سے ذکر کرے گا تو اس کے ساتھ قلب بھی
ادنی توجہ کے ساتھ متوجہ رہے گا۔[1]"

یہاں ذکر قلبی سے مراد صوفیہ کا وہی متعارف و اصطلاحی ذکر ہے، جس کو قلب کا جاری ہونا
کہا جاتا ہے، اور جو اس طرح مشق سے ہو جاتا ہے، کہ قلب کی طرف متوجہ ہو کر مثلاً یہ تصور کیا جائے
کہ اس کی حرکات کے ساتھ اللہ اللہ یا لا الہ الا اللہ نکل رہا ہے، تو کچھ عرصہ کی مشق کے بعد قلب کی
طرف توجہ سے ایسا ہی سنائی دینے لگتا ہے لیکن یہ اکثر خصوصاً دماغی مصروفیت کی حالت میں جاری
نہیں رہ سکتا، چنانچہ کسی طالب نے لکھا تھا کہ

"ذکر قلبی اکثر اوقات آسانی جاری رہتا ہے، مشغولی کار کے ساتھ بھی جاری رہتا ہے،
لیکن اکثر دماغی مصروفیت کے وقت بند ہو جاتا ہے، کوشش کرتا ہوں کہ ایسے وقت
بھی بے تکلف جاری رہ سکے،

[1] الافاضات الیومیہ ص ۹۵ حصہ ہفتم،

جواب میں تحریر فرمایا کہ

"نہیں رہ سکتا، کیونکہ ایک آن میں دو طرف توجہ نہیں ہو سکتی لیکن اس جاری نہ رہنے سے
کچھ ضرر نہیں، باقی ذکر قلبی سوا اگر اس وقت ذکر لسانی دشوار ہو تو اس پر اکتفا کا مضائقہ نہیں،
ورنہ محض قلبی پر اکتفا نہ کیا جائے، لسانی بھی اس کے ساتھ ضرور ہے، خواہ قلبی میں اس سے کچھ
کمی ہو جائے۔[1]"

یہ وہی اصطلاحی ذکر قلبی ہے، کہ چونکہ اس کا دار و مدار تصور پر ہے، کہ قلب کی حرکت یا دھڑکن
سے فلاں آواز نکل رہی ہے، اس لئے جب دماغ دوسرے تصورات میں مصروف ہوتا ہے، تو یہ جاری
نہیں رہ سکتا، بخلاف لسانی کے کہ وہ اس صورت میں بھی جاری رہ سکتا ہے،

"ایک شخص شاہ ولی اللہ صاحب کے پاس آیا، اور عرض کیا کہ حضرت میرا قلب جاری ہو گیا آپ نے
فرمایا کہ دل دھڑکنے کو قلب کا جاری ہونا نہیں کہتے، قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ ہر وقت خداوند
تعالیٰ کی یاد دل پر حاضر رہے، اکثر لوگ کہا کرتے ہیں، کہ فلاں بزرگ کی بوٹیاں تھرکتی ہیں، یہ بہت
کامل ہیں، اور جن لوگوں میں یہ باتیں نہیں ہوتیں، ان کی نسبت کہتے ہیں کہ نیک بخت ہیں یعنی
ان میں کمالات باطنی نہیں، حالانکہ کمالات باطنی بالکل مخفی ہیں، ان کو بوٹیوں کے تھرکنے سے کچھ
تعلق نہیں، (الرفیق سوا الطریق ص ۳۰)"

ذکر کے باب میں ایک بڑی خطرناک غلطی

جس میں بعضوں کو ابتلا ہے، یہ ہے کہ نفس ذکر ہی کو تمام اعمال و اخلاق کی اصلاح
کے لئے کافی جانتے ہیں، اور استدلال اس ابتلاء سے بھی عجیب تر ہے، کہ انا جلیس من ذکرنی سے معلوم
ہوتا ہے کہ ذکر سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے، اور اللہ سے قریب رہ کر اللہ کی نافرمانی یا معاصی
میں کیسے مبتلا ہوگا، لہٰذا اور تدابیر کی ضرورت نہیں،

[1] اشرف السوانح حصہ سوم ص ۱۵۲،

"حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ ذکر نفی میں خود تدبیر اصلاح بھی داخل ہیں، تو بدون معالجۂ امراض کے ذکر ہی متحقق نہ ہو گا، دیکھو حصن حصین میں ہے، من کل مطیع اللہ فھو ذاکر، سنئے ذکر کے معنی ہیں یاد تو یاد تو سب طریقہ سے ہوتی ہے، نہ کہ محض زبان ہی سے نام لیے گیا یہ یاد ہے کہ جس کی یاد کا دعویٰ ہو، نہ اس سے بات کرے، نہ اس کے خط کا جواب دے، نہ اس سے ملے، نہ اس کا کہنا مانے، یہ ہرگز یاد نہیں تو جو ذکر بدون اصلاح کے ہو، وہ ایسی یاد ہے،"[1]

یہ غلطی اچھے اچھے مشائخ میں اتنی عام ہے کہ مرید کرکے بس کچھ اذکار کی تعلیم فرماکر فارغ ہوجاتے ہیں، اعمال و اخلاق کی کوتاہیوں یا امراض پر نہ کوئی روک ٹوک، نہ علاج و تدبیر، بلکہ طالب اگر کسی مرض کو بیان کرے، تو اس کے لئے بھی اکثر کوئی ذکر یا وظیفہ ہی اور تجویز فرما دیا جاتا ہے، حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی رائج الوقت عامیانہ تصوف میں درحقیقت یہ بڑی اہم تجدید و اصلاح تھی، کہ اعمال و اخلاق کے مواخذہ و معالجہ کے مقابلہ میں مروجہ اذکار و اشغال اوراد و وظائف کی حیثیت بالکل دوسرے اور تیسرے درجہ کی تھی، ان کا تذکرہ مجلس میں شاذ و نادر آتا، لیکن اعمال و اخلاق پر روک ٹوک دن رات رہتی،

"ایک طالب نے اپنے خط میں کوئی آسان وظیفہ یا طریقہ پوچھا جس سے طاعات میں ترقی اور معاصی سے اجتناب میسر ہو، جواب میں تحریر فرمایا کہ طاعات و معاصی دونوں امور اختیاریہ ہیں، جن میں وظیفہ کو کچھ دخل نہیں رہا، طریقہ، سو امور اختیاریہ کا طریقہ استعمالِ اختیار کے سوا اور کچھ نہیں،"

کسی اور موقع پر فرمایا کہ:

"نرا وظیفہ اصلاح کے لئے ہرگز کافی نہیں، نرے وظیفے والے پیروں سے واللہ ثم واللہ جو کبھی اصلاح ہو، اصلاح تو ہوتی ہے، اصلاح کے طریقہ سے،"

---

[1] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص ۱۹۵ [2] (اشرف السوانح حصہ دوم ص ۱۷)

غرض ذکر کی جو اصل حقیقت ہے یعنی مذکور کی دل سے یاد اور اس سے غافل نہ ہونا، یہ تو شریعت کا عین مقصود، بلکہ عبادت و طاعت کا اعلیٰ ترین مقامِ احسان ہے، کہ وہ مذکور کے اس طرح استحضار کیساتھ ادا ہو گا، کہ گویا ہم اس کے سامنے حاضر ہیں، اس کو دیکھ رہے ہیں یا وہ ہم کو دیکھ رہا ہے، مسلمان کی ساری زندگی بندگی ہے، اسلام کے معنی ہی بالکلیہ اطاعت یا سرافگندگی و سپردگی کے ہیں، اور حضرت مجدد کی تجدید تصوف کا خلاصہ بھی یہی دو باتیں ہیں، طاعت کا اہتمام، اور دوام ذکر یا معصیت و غفلت سے اجتناب تام، اور تصوف یعنی خدا کی اس کمال بندگی یا عبدیت خالصہ کی راہ کے قصد یا قصد السبیل الی المولی الجلیل کے نام سے جو دستور العمل مرتب فرمایا گیا ہے، اس میں تفصیلی تعلیم کے بعد ارشاد ہے کہ

خلاصۂ طریق طاعت و ذکر

"میزانِ کل اور خلاصہ طریق الی اللہ کا کل دو چیزیں ہیں طاعت اور ذکر، معصیت سے طاعت فوت ہوجاتی ہے، اور غفلت سے ذکر مختل ہو جاتا ہے، اس لئے اپنا اصلی کام طاعت و ذکر پر دوام رکھنے اور معصیت و غفلت سے بچنے کو سمجھے،"[1]

سالک کے چار طبقات

باقی اشغال و مراقبات، احوال و کیفیات، کشف و کرامات، بیعت و نسبت وغیرہ کی جو حیثیت و حقیقت تصوف کے متن متین دستور العمل (رابطۂ شیخ تک) میں واضح فرمائی گئی ہے، اس کا اندازہ صرف اس سے فرمایا جا سکتا ہے، کہ اس راہ کا قصد کرنے کو چار طبقات عامی مشغول، عامی فارغ، عالم مشغول، عالم فارغ میں تقسیم فرماکر عامی مشغول و فارغ دونوں کے لئے اشغال کی سرے سے ممانعت فرمائی ہے، کہ

"اس میں طرح طرح کے خطرات ہیں جن کا تحمل عامی سے نہیں ہو سکتا"[1] ص ۱۰

عالم مشغول تک کے دستور العمل میں یہ قید ہے کہ

شیخ سے دور رہ کر شغل نہ کریں، البتہ چندے شیخ کے حضور میں اگر یہ کام کیا ہو اور وہ اجا

---

[1] قصد السبیل الی المولی الجلیل ص ۱۰،

بھی اس کو تجویز کرے، تو مضائقہ نہیں[1]

ورنہ تصوف کے اس تجدیدی دستور العمل کی رو سے متعارف صوفی بننے کی اجازت صرف عالم فارغ یعنی ایسے علماء ہی کو ہے، جو ایک طرف دین و شریعت کا پورا علم رکھتے ہیں، اور دوسری طرف فکر معاش سے فارغ ہیں، تاکہ نہ جاہل صوفیوں کے خلاف شرع رسوم و بدعات کا شکار ہو سکیں، اور نہ اشغال و مراقبات یا اُن کے ثمرات و کیفیات وغیرہ کے عدم تحمل کی وجہ سے حدود سے تجاوز کر سکیں، چنانچہ عالم فارغ کے دستور العمل میں ان چیزوں کی حسب ضرورت اجازت کے باوجود ان کی حدود و حیثیت پر پوری طرح تنبہ فرما دیا گیا ہے، مثلاً ذکر میں جہر و ضرب کی نسبت ارشاد ہے، کہ

"جہر مقصود بالذات اور قربت فی نفسہا نہیں، ایسا اعتقاد کرنا بدعت ہے اور حدیث میں جو وارد ہے کہ اربعوا علیٰ انفسکم انکم لا تدعون اصم ولا غائبا میرے نزدیک اسی اعتقاد کی نہی پر محمول ہے، اور بعض نے اس کو جہر مفرط پر محمول کیا ہے، جس سے دوسرے متاذی ہوں مثلاً سونے والوں کو تشویش ہو، اور امام ابو حنیفہ کے منع فرمانے کی بھی یہی توجیہات ہیں، ورنہ جہر فی نفسہ جائز ہے، جیسا کہ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ رفع الصوت بالتکبیر کا علامت انصراف عن الصلوٰۃ ہونا عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور سنن میں وتر کے بعد سبحان الملک القدوس مروی ہے"

"و حکمت جہر میں یہ سمجھی گئی ہے، کہ اس میں وساوس و خطرات کم آتے ہیں، کیونکہ اپنی آواز جو کان میں آتی رہتی ہے، قلب آسانی سے ادھر متوجہ رہ سکتا ہے، سو یہ فائدہ خفیف جہر سے بھی حاصل ہے،

"اسی طرح ضرب میں بھی قربت نہیں، اس میں بھی ایسی ہی طبی حکمت ہے، وہ یہ کہ حرکت عنیفہ سے حرارت پیدا ہوتی ہے، اور حرارت سے رقت اور رقت سے تاثر اور تاثر معین ہوتا ہے اطاعت اور محبت میں، جو مقاصد ہیں، پس ضرب ذریعہ مقصود ہونے کی بنا پر مقصود بالغیر ہے، لیکن زیادہ ضرب سے

[1] قصد السبیل الی المولیٰ الجلیل ص ۱۰،

قلب میں خفقان پیدا ہونے کا ڈر ہے، لہٰذا اعتدال سے تجاوز نہ کرے،

"یہ تو اس کے متعلق تحقیق علمی تھی، ایک اور عمل اس میں قابلِ تنبیہ ہے، کہ اکثر کتبِ فن میں اس ذکر کے ساتھ گردن کو داہنے بائیں لیجانے کو لکھا ہے، سو جان لینا چاہئے کہ پہلے لوگوں کے مزاج و دماغ قوی تھے، اس کے متحمل ہوتے تھے، بلکہ بوجہ قوتِ مزاج بدون اس کے متاثر نہ ہوتے تھے، اس لئے اُن کو اس کی ضرورت تھی، اب خود ہی ضعف غالب ہے، تھوڑے مشاغل سے قلب متاثر ہو سکتا ہے، اس لئے ایسا نہ کیا جائے، ورنہ دماغ کے ماؤف ہونے کا اندیشہ ہے،[1]

عالم فارغ کے لئے اس دستور العمل میں جو مراقبہ تجویز فرمایا گیا ہے، وہ مراقبۂ موت ہے، یعنی موت کے بعد سے حساب و کتاب وغیرہ کے واقعات کا اس طرح تصور کرنا کہ گویا وہ ہم کو پیش آرہے ہیں، اس کی بھی حکمت و غایت یہ ہے کہ کثرت ذکر سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس مراقبہ سے دنیا کی نفرت پیدا ہوگی، یہی حب و بغض اس کا کام بنا دینے کے لئے ان شاء اللہ کافی ہونگے،

"بس تقوی کا التزام اور یہ ذکر اور یہ مراقبہ کافی ہے، عمر بھر اس پر مداومت رکھئے، تو آخرت میں تو ثمرہ یقینی ہے، اور اصل وعدہ عطائے ثمرات کا آخرت ہی میں ہے، لیکن دنیا میں بھی اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، تو اس کے قلب پر علوم عجیبہ و معارف جن کے باب میں مولانا کا ارشاد ہے،

بینی اندر خود علوم انبیاء	بے کتاب و بے معید و اوستا

اور واردات غریبہ و مواجید مثل ذوق و شوق، محبت و انس و ہیبت و انکشاف اسرار احکام و حسن معاملہ فیما بینہ و بین اللہ وغیرہ فائض ہوں گے" جن کی لذت کے سامنے ہفت اقلیم

[1] قصد السبیل الی المولیٰ الجلیل ص ۱۰ و ۱۱،

کی سلطنت گرد ہے، اور یہ امور حالات کہلاتے ہیں، یہی علوم کشف الٰہی کہلاتے ہیں کشف کوئی

نہ لذت میں اس کی گرد کو پہنچتا ہے، نہ قرب میں اس کو اس کا سا دخل ہو (ص ۱۲)

اصل میں تو تقوی و طاعت کے اہتمام کے ساتھ منصوص و ماثور کثرت و دوام ذکر ہی کو کافی قرار دیا گیا ہے، لیکن بعضوں کو مدت تک ذکر کرنے کے باوجود حضور قلب و یکسوئی میسر نہیں ہوتی، ان کے لئے کسی مناسب شغل میں مضائقہ نہیں، مثلاً ایک سہل شغل الحد ہے، جس میں کچھ لذیذ آواز سنائی دیتی ہے،

"بلکہ بعض اوقات نہایت دلربا و دلفریب آوازیں پیدا ہوتی ہیں، جو شاغل کو محو کر دیتی ہیں، اور محسوس و لذیذ چیز کی طرف متوجہ ہونے سے طبعاً دوسرے خطرات کم ہو جاتے ہیں، تو اس سے ذہن کو ایک طرف پوری توجہ کرنے کی عادت ہو جاتی ہے،

لیکن چونکہ شغل خود مقصود نہیں ہوتا، اس لئے جب یہ عادت ہو جاتی ہے، تو اس کو چھوڑ کر توجہ کی عادت کو حقیقی مقصود کی طرف پھیر دیتے ہیں جس کی طرف اوّلاً بوجہ اس کے غائب عن الحواس ہونے کے متوجہ ہونا مشکل ہوتا تھا، ساتھ ہی اس سلسلہ میں ایک اور بڑے خطرناک دھوکے پر تنبیہ فرمایا گیا ہے کہ اس شغل میں جو آواز سنائی دیتی ہے، وہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی کوئی صفت ہے، جیسا کہ بعضوں کو دھوکا ہو گیا ہے، بلکہ عالم غیب میں سے کسی مخلوق کی بھی کوئی صفت نہیں، صرف اس کے دماغ میں ہوا بند ہو کر متموج ہونے لگتی ہے، اشغال وغیرہ کے اس قسم کے آثار کو جو محض اپنے دماغ ہی کے آفریدہ تخیلات ہوتے ہیں، جاہل صوفیہ یا اشراقیہ خدا جانے کیا کیا سمجھنے لگتے ہیں، کہ عالم غیب کے اسرار اُن پر کھل گئے ہیں، اور انھیں مقصود بلکہ معبود بنا لیتے ہیں،

علاوہ جس طرح اس آواز کا محل کا دماغ ہے اسی طرح کبھی دوسرے اشغال یا اذکار میں بھی مختلف الوان کے انوار جو نظر آنے لگتے ہیں، وہ اکثر اپنے ہی دماغ کی صورتیں ہوتی ہیں چنانچہ غیر شاغل بھی اگر اسی طرح آنکھیں بند کر کے دیکھے تو بعض اوقات اس کو بھی مختلف رنگ نظر آیا کرتے ہیں اور اسے کبھی دھوکا نہ کھانا ان چیزوں

ؑ قصد السبیل ص ۱۲

کی طرف التفات کرے بلکہ اگر واقعی عالم غیب کی چیزوں کا کشف ہونے لگے جیسا کہ کبھی کبھی یکسوئی میں ہو بھی جاتا ہے، تب بھی ہرگز ادھر متوجہ نہ ہو نہ اس سے لذت حاصل کرے، خواہ وہ مکشوفات ناسوت کے ہوں یا ملکوت کے، کیونکہ یہ سب غیر مطلوب حتیٰ کہ حسب ارشاد حضرت مرشد (حاجی امداد اللہ) علیہ الرحمۃ حجاب ظلمانی سے حجاب نورانی اشد ہے، طالب کو اس کی نفی کرنا اور اس مضمون پر نظر رکھنا چاہئے ؎

عشق آن شعلہ است چوں بر فروخت ۔ ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

تیغ لا در قتل غیر حق براند ۔ در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

ماند الا اللہ و باقی جملہ سوخت ۔ مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت (ص ۱۴)

یہی نہیں کہ اشغال و مراقبات تصوف کے مقاصد نہیں، بلکہ چونکہ محض تدابیر ہیں، اس لئے جن اشغال و مراقبات میں مضرت کا احتمال ہے، ان کو مصرے سے عوام کیا خواص کے لئے ممنوع و متروک قرار دیا ہے، مثلاً بعض اشغال میں شغل رابطہ و تصور شیخ اور مراقبات میں مراقبہ وحدت الوجود بوجہ اس کے کہ اکثر خواص کو بھی مضر ہوتا ہے، متروک ہے، کما قال اللہ تعالیٰ فی الخمر والمیسر اذ کانا حلالین "اثمھما اکبر من نفعھما" (ص ۱۵)

تجدید تصوف کے دو اصل اصول

باقی حضرت کے تجدیدی و اصلاحی تصوف کی اصل الاصول دو ہی باتیں ہیں جن سے بچنے کا ہر وقت اہتمام ضروری ہے، ایک غفلت جس کا علاج ذکر ہے، جس کا اوپر بیان ہوا، دوسرے معصیت، البتہ معاصی میں چونکہ عام دیندار اور علمائے ظاہر زیادہ تر کبائر اور وہ بھی جوارح کے معاصی ہی کو معاصی خیال کرتے ہیں، صغائر اور قلب یا باطن کے معاصی کی بالکل یا چنداں پروا نہیں کرتے اور صوفی کا خاص مقام احسان و حضور ہے، وہ صغائر و کبائر ظاہر و باطن ہر حال میں اور ہر جگہ حق تعالیٰ کو حاضر و ناظر اور مرئی مشاہدہ کرتا ہے، اس لئے معصیت صغیرہ ہو یا کبیرہ، قلب سے ہو یا زبان سے یا ہاتھ پاؤں آنکھ کان سے "سب سے بچنے کی کوشش کرتا ہے"۔

غفلت سے قلب کی نورانیت برباد ہوجاتی ہے، اور معصیت کے علاوہ نور قلب فوت ہونے سے

مقبولیت عند اللہ بھی زائل ہوجاتی ہے، اور یہ بڑا خسارہ ہے،

لہذا اس کے اہتمام کی بہت زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے، کہ

"اگر حیاناً غفلت سے یا نفس کی شرارت سے کوئی قولی یا فعلی معصیت سرزد ہوجائے، فوراً

نہایت ندامت و عاجزی سے استغفار و توبہ کرے، بالخصوص بعض معاصی خصوصیت سے زیادہ مضر

ہیں، ان سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام رکھے، ایک رباد و سرے کبر، اور سی سے لگا ہے تفاخر و کبر

پیدا ہوتا ہے، خواہ کمال دنیوی پر ہو یا کمال دینی پر، تیسرے زبان سے کسی کی غیبت و شکایت

یا کسی پر طعن و اعتراض، بلکہ اکثر فضول کلام بھی نورانیت قلب کو مضر ہوتا ہے، اس لئے طالب حق

کو لوگوں سے زیادہ میل جول نہ کرنا چاہئے، اگر بضرورت ہو تو تھے محل نامشروع میں رغبت و شہوت

سے کسی کی طرف توجہ کرنا خواہ آنکھ سے یا دل کے خیال سے، پانچویں بے جا یا اعتدال سے زیادہ

غصہ کرنا، یا بد خلقی و سختی کے ساتھ پیش آنا، (قصد السبیل ص ۲۵)

خالی اشغال و مراقبات کو تصوف اور مقصود تصوف سمجھنے والے صوفیہ اور محض ظاہری اور بڑے

بڑے گناہوں کو گناہ سمجھنے والے دیندار علماء دونوں کا حال پیش نظر رکھ کر پھر ایک مرتبہ اوپر کی سطریں

پڑھو تو معلوم ہوگا، کہ تصوف کے معتقد و منکر دونوں نے: طریقت کو سمجھا نہ شریعت کو، (باقی)

عرب ریاستوں کے حالات

جن لوگوں کو عربوں اور یہودیوں کی جنگ سے دلچسپی ہے، ان کے لئے شام، فلسطین، شرق اردن اور

دوسری عرب ریاستوں کے حالات اور فلسطین میں یہودیوں کی جدید تاریخ اور ان واقعات کا جاننا ضروری ہے،

جن کا نتیجہ موجودہ جنگ ہے، یہ حالات کتاب **عرب کی موجودہ حکومتیں** میں ملیں گے،

ضخامت ۰۰ صفحے، قیمت: — عہ (از شاہ معین الدین احمد ندوی)

"منیجر"

بغداد اور اس کا تمدن

از

شاہ معین الدین احمد ندوی،

مسلمانوں کی تمدنی تاریخ میں ظاہری نفاست و لطافت اور حسن و دل آویزی کے اعتبار سے عباسیون

کا تمدن نہایت بلند تھا، اور محاضرات کی مشہور و معروف کتاب الف لیلۃ و لیلۃ میں اس کی جو تصویرین

نظر آتی ہیں، ان کو اگرچہ تاریخی، اعتبار و استناد کا درجہ حاصل نہیں ہے، اور اس میں بہت سے افسانے اور

خرافات بھی شامل ہیں، لیکن ان سے قطع نظر خالص تمدنی اور معاشرتی مرقعے بڑی حد تک صحیح ہیں، تاریخ

بنی عباس کے تمدنی حصہ کی تدوین کے سلسلہ میں مستند تاریخوں میں بھی بعض دلفریب مرقعے نظر سے گذرے

ان کے لطف میں ناظرین معارف کو بھی شریک کرنا مناسب معلوم ہوا

لیکن اس سے پہلے یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ

اسلام ایک فطری اور سادہ مذہب اور اس کا دامن بے جا تمدنی تکلفات سے پاک ہے اگر

گو جائز حدود کے اندر شریعت نے عیش و تنعم کی اجازت دی ہے، لیکن ہر وہ شے جو سادگی اور جد و عمل

کے خلاف ہو، وہ اسلامی روح کے منافی ہے، اسلام کی یہ سادگی خلافتِ راشدہ کے دور تک قائم

رہی، اور گو اس زمانہ میں فتوحات کی کثرت اور مالِ غنیمت کی فراوانی سے صحرائے عرب میں سونے چاندی

کے دریا بہنے لگے تھے، اور ایران و روم کے خزانے کھنچ کھنچ کر مدینہ کی گلیوں میں آگئے تھے، لیکن اس سے مسلمانوں

کی سادگی میں کوئی فرق نہیں آیا اور خلیفۃ المسلمین کے جسم پر وہی پیوند لگا کپڑا اور غذا میں جو کی روٹی اور

، دخمِ زیتون رہا،

لیکن دولت کی فراوانی اور مختلف تمدنون اور قومون کے اختلاط کے اثرات طبعی ہین جس سے کوئی قوم نہین بچ سکتی، اور یہ اختلاط حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے جب اسلام نے جزیرۃ العرب سے نکل کر ایران و روم کی سرزمین مین قدم رکھا، شروع ہو گیا تھا، لیکن اس وقت تک مسلمانون مین اسلامی روح پوری طرح موجود تھی، خود حضرت عمرؓ کو اسلامی سادگی کے تحفظ مین بڑا اہتمام تھا، اسلام کے محافظ و نگہبان صحابۂ کرام موجود تھے، جو کسی بیرونی اثر کو گوارا نہین کر سکتے تھے، اس لئے اس دور مین دوسری قومون کے اختلاط کے اثرات ظاہر نہین ہونے پائے، لیکن جس قدر زمانہ گذرتا گیا، اور مذکورہ بالا اثرات کم ہوتے گئے، اتنے ہی مسلمانون مین دوسری قومون کے اثرات پھیلتے گئے، اور خلافتِ راشدہ کے خاتمہ اور صحابہ کرام کے اٹھنے کے بعد اموی دور مین اس کا اثر نمایان ہونے لگا، بنی امیہ کا پایۂ تخت دمشق (شام) رومیون کا ملک تھا، اس لئے مسلمان پہلے اسی سے متاثر ہوئے، مگر شام کا علاقہ مختلف حیثیتون سے عرب سے ملتا جلتا ہوا ہے، یہان ان کی ہم نسل سامی قومین بھی آباد تھین پھر بنی امیہ مین گو خلفاے راشدین کی طرح اسلامی روح نہ تھی، لیکن عربون کی خصوصیات کے تحفظ مین انھین بھی اہتمام تھا، اور ان مین عربی عصبیت پوری طرح موجود تھی، اور اموی حکومت بعض معاشرتی تکلفات کو چھوڑ کر خالص عربی تھی، اس لئے ان کے زمانہ مین غیر عربی عنصر اور اس کے تمدن کا غلبہ نہین ہونے پایا، اور عربی خصوصیات بڑی حد تک محفوظ رہین،

مگر جب بنی عباس نے اُن کی جگہ لی تو اس کے زمین و آسمان بالکل بدل گئے، اور عباسی خلافت مذہب کے سوا زندگی کے تمام شعبون مین عجمی رنگ مین رنگ گئی، اور اس کی حکومت و سیاست تہذیب و معاشرت، علوم و فنون قریب قریب پورا کا پورا عجمی قالب مین ڈھل گیا، اس کے مختلف اسباب تھے،

سب سے بڑا اور بنیادی سبب یہ تھا، کہ عہدِ رسالت کے بُعد سے مسلمانون مین رفتہ رفتہ مذہبی روح کمزور ہو چلی گئی تھی، دوسرے عباسی خلافت تمامتر عجمیون کے بل پر قائم ہوئی تھی، اس کا بانی ابو مسلم خراسانی

عجمی تھا، اور عباسی دعوت کو عجم ہی کی سرزمین مین فروغ حاصل ہوا، اور یہین اس کی بنیاد پڑی جس کے اثرات ناگزیر تھے، پھر قیامِ حکومت کے بعد دولتِ عباسیہ کے تمام بڑے بڑے عہدہ دار عجمی ہوئے، برمکی خاندان کی شہرت و عظمت اور خلافتِ عباسیہ مین اس کا غلبہ واقتدار محتاجِ بیان نہین، تیسرے خلافتِ عباسیہ کا پایۂ تخت بابل اور نینوا کے کھنڈر پر تعمیر ہوا تھا جس کی آب و ہوا مین عجمی اثرات سرایت کئے ہوئے تھے، اور اہلِ عجم ایک قدیم متمدن قوم اور ایک ترقی یافتہ اور بلند تہذیب کے مالک تھے، ان کا تمدن نہایت دلکش اور نظر فریب تھا، اور خلفا مین اسلامی روح باقی نہ رہ گئی تھی، ان اسباب کی بنا پر عباسیون مین عجمی تمدن پھیل گیا، لیکن عربی اور اسلامی تمدن نے بھی اس کو متاثر کیا، اور دونون کی آمیزش سے ایسا دلکش اور پرفلون تمدن پیدا ہوا، جو مسلمانون کا معیاری تمدن قرار پایا، اور رفتہ رفتہ سارے مشرقی ملکون مین پھیل گیا، تیموری تمدن بھی جسے ہم آج ہندوستانی تمدن کہتے ہین، اسی کی یادگار ہے، اس مین فطری طور پر ہندو تمدن کے عناصر بھی شامل ہو گئے ہین،

خالص اسلامی نقطۂ نظر سے اس تمدن کے حسن و قبح پر بحث نہین، اس بارہ مین اسلام کا نقطۂ نظر وہی ہے، جو اوپر مذکور ہوا، اسلام کسی ایسے نقش کو گوارا نہین کرتا، جو اسلامی روح کے منافی ہو لیکن خالص دنیاوی اور مادی حیثیت سے یہ دو آتشہ تمدن ایک معیاری تمدن تھا، اس مضمون مین اسی تمدن کے بعض دلکش رخون کو دکھانا مقصود ہے، تمدن کا دائرہ نہایت وسیع ہے، اس مین حکومت و سیاست، تہذیب و معاشرت، علوم و فنون، اجتماعی زندگی کے تمام شعبے آجاتے ہین، لیکن ان سب کی تفصیل نہایت طویل ہے، اور ہمارا مقصود اس کے صرف ایک پہلو یعنی تمدنی نفاستون کو دکھانا ہے، لیکن یہ موضوع جس قدر دلکش ہے، اسی قدر دشوار بھی ہے، عربی تاریخون کا دائرۂ بحث اس دور کے مذاق کے مطابق عموماً سیاسی واقعات و حوادث اور جنگ و فتوحات کے حالات تک محدود ہے، ان مین تمدنی واقعات محض ضمناً آجاتے ہین، محاضرات کی کتابون مین البتہ تمدنی واقعات ملتے ہین لیکن ان کو تاریخی استناد

کا درجہ حاصل نہین اس لئے معتبر تاریخون سے اس عہد کے تمدن و معاشرت کی تصویر دکھانا بہت مشکل اور کوہ کندن و کاہ برآوردن سے کم نہین، تاہم اس مضمون مین اسی سنگلاخ زمین سے جوے شیر نکالنے، اور اسی خارستان سے تمدن کا مرقع سجانے کی کوشش کی گئی ہے، اس کو عباسی تمدن کی کامل تصویر تو نہین کہا جا سکتا، لیکن اس سے اس کا اجمالی اندازہ ہو جائے گا،

قومون کے تمدن کا ایک بڑا مظہر اس کی تعمیرات ہین، ان کا شکوہ و تجمل، بانیون کی شوکت و عظمت کا نشان اور اس کے نقش و نگاران کے ذوق جمال کی تحریرین ہین، جن سے ان کی تمدنی تاریخ پڑھی جا سکتی ہے، آج بھی گذشتہ قومون کی عظمت و جلال کی سب سے بڑی نشانیان اُن کی عمارتون کے کھنڈر ہین،

از نقش و نگار درو دیوار شکستہ   آثار پدید است صنادید عرب را

اسلامی اندلس کی تاریخ مین مسلمانون کے عروج کے سب سے بڑے شاہد الزہرا کے کھنڈر اور الحمرا کے درو دیوار ہین، ہندوستان مین تیموریون کی عظمت کی شہادت تاج محل، لال قلعہ، جامع مسجد اور فتح پور سیکری کی عمارتون سے ملتی ہے، اسی طرح عباسی تمدن کی شوکت و عظمت کا سب سے بڑا نشان اور اس کا مرکز بغداد تھا، اور عباسیون کے تمدن سے واقفیت کے لئے اس کی عظمت و شان سے واقفیت ضروری ہے، لیکن عباسیون کے دور زوال ہی مین اس پر ایسے مسلسل و پیہم انقلابات طاری ہوے، کہ وہ اسی زمانہ مین گویا ویران ہو چکا تھا، اور جو بچی کھچی یادگارین رہ گئی تھین، وہ تاتاریون کے سیلاب کی نذر ہو گئین، اور بغداد کی عظمت گذشتہ پر آنسو بہانے والے کھنڈر بھی باقی نہ رہ گئے،

صبح تک تو نے نہ چھوڑی وہ بھی اے باد صبا
یادگار شمع تھی کل تک جو پروانے کی خاک

اور اب بغداد مین اس کے پرانے شکستہ مقابر کے علاوہ اس کا کوئی مرثیہ خوان باقی نہیں ہے، یا کتابون کے

اوراق سے اس کا پتہ چلتا ہے، بغداد کے حالات مین مستقل کتابین لکھی گئین ہین لیکن ان مین سے بیشتر کتابین تاریخ خطیب بغدادی کی کتابون مین بھی کافی حالات ملتے ہین آیندہ سطرون مین انہی سے بغداد عظمت رفتہ کا اجمالی خاکہ پیش کرنے کی کوشش کیجائے گی،

بغداد کی تعمیر

بغداد کو دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے ۱۴۶ھ مین آباد کیا[1] اس کی تعمیر اس عہد کا عظیم الشان تعمیری کارنامہ ہے، تاریخون مین اس کی تعمیر کی بڑی طویل تفصیل ہے اس کا خلاصہ یہ ہے،

یہ عظیم الشان شہر ارض بابل و نینوا کے ایک خوش سواد قطعہ مین دجلہ کے ساحل پر آباد کیا گیا تھا، اس کی تعمیر سے پہلے منصور نے ماہر مہندسین سے اس کا نقشہ بنوایا، اور مختلف ملکون سے تعمیر کا سامان ماہر معمار، نجار اور دوسرے صناع و کاریگر اکٹھا کئے تھے، اسکی تعمیر ۱۴۵ھ مین شروع ہوئی، ایک لاکھ مزدور اور کاریگر روزانہ کام کرتے تھے[2]

بغداد کا نقشہ مدور تھا، یعقوبی کے بیان کے مطابق یہ دنیا کا پہلا مدور شہر تھا، لیکن صحیح یہ ہے کہ دنیا کا نہین البتہ مسلمانون کا پہلا مدور شہر تھا، شہر کے وسط مین ایوان شاہی کی عمارت تھی، جو قصر الذہب کے نام سے موسوم تھی، اس کے درمیانی ہال پر اسی گز بلند گنبد تھا، جو قبۃ الخضرا کہلاتا تھا، اس کی چوٹی پر ایک اسپ سوار مجسمہ نصب تھا، یہ گنبد بغداد کے ہر حصہ سے نظر آتا تھا[3]،

پھر جب بغداد مین آبادی کی کثرت ہو گئی، تو ۱۵۱ھ مین منصور نے شہر سے باہر دجلہ کے ساحل پر ایک محل تعمیر کرایا، جو اپنی خوبصورتی اور زینت و آرایش کے لحاظ سے قصر خلد کہلاتا تھا[4]،

قصر الذہب سے شہر پناہ کے چارون پھاٹکوں تک جن کا ذکر آگے آتا ہے، چار وسیع و کشادہ سڑکین نکالی گئی تھین، پھر ان بڑی سڑکون سے بہت سی چھوٹی چھوٹی سڑکین نکلتی تھین، اُن کے دونون کنارون

---

[1] تاریخ خطیب بغدادی ج اوّل ص ۶۷، و کتاب البلدان یعقوبی ص ۲۳۰ [2] خطیب ج اوّل ص ۳،
[3] تاریخ خطیب ج اول ص ۷۵ و ص ۸۰،

پر ترتیب کے ساتھ مکانات تھے،

آبادی کی ترتیب یہ تھی کہ وسط شہر مین قصر الذہب کی عمارت اور جامع مسجد تھی، اس کے آس پاس دور تک پولیس اور حفاظتی سپاہ کی چوکی کے علاوہ اور کوئی آبادی نہ تھی، شاہی ایوان کے بعد شاہزادون کے محلات اور اُن کے خدام و متوسلین کے مکانات تھے، ان کے بعد سرکاری دفاتر کی حسب ذیل عمارتین تھین،

بیت المال (خزانہ) خزانۃ السلاح (اسلحہ خانہ) دیوان الرسائل (دفتر مراسلات) دیوان الخراج (دفتر خراج)، دیوان الخاتم (خاتم خلافت جہان فرامین و احکام شاہی پر مہر لگائی جاتی تھی) دیوان الحوائج (شاہی ضروریات کا سامان) دیوان الاحشام (خدم و حشم شاہی کا دفتر) دیوان النفقات (شعبۂ اخراجات کا دفتر) مطبخ عامہ (باورچی خانہ عام)

ان عمارتون کے بعد امراے دولت اور ارکان حکومت کے مکانات تھے، آخر مین عام آبادی اور بازار تھے، ہر طبقہ اور تمام اہل حرفہ کے محلے الگ الگ اور اُن کے باشندون یا اس محلہ کے ممتاز اشخاص کے نام سے موسوم تھے، مثلاً رحبہ فلان، یا قطیعہ فلان وغیرہ، ہر چیز کے بازار جدا تھے، ہر محلہ بازار اور آبادی سے متعلق اتنی مسجدین تھین، جو ان کے لئے کافی ہون، بڑی بڑی سڑکین، پچاس پچاس گز، اور چھوٹی سڑکین اور گلیان سولہ سولہ گز چوڑی تھین، اور تمام سڑکین اور گلیان ممتاز اشخاص یا آبادی کے طبقات کے نام سے موسوم تھین، سڑکون کے کنارے نہرین روان تھین، اور سارے شہر مین ان کا جال پھیلا ہوا تھا، شہر کے گرد دوہری سنگین شہر پناہ تھی، اس کے آثار نوے گز اور بالائی حصہ پچیس گز چوڑا تھا، اور

تاریخ الاسلامی السیاسی والثقافی حسن ابراہیم حسن پروفیسر تاریخ جامعہ فواد مصر جلد ۲ صفحہ ۲۷۰ کتاب البلدان یعقوبی ص ۲۴۰ تفصیل کیلئے دیکھو خطیب اول ص ۹۰، ۱۰۰ ایضاً ص ۹۷ کتاب البلدان ص ۲۴۲ ایضاً ص ۲۴۰ و ص ۲۴۲ ایضاً ص ۷۰، ۱۱۱ و مابعد،

بلندی ساٹھ گز تھی، بیرونی فصیل کے اوپر بڑے بڑے برج جھروکے اور جھلکیان تھین، اس فصیل کے بعد چوڑی خندق تھی، جس مین پانی بھرا رہتا تھا، شہر پناہ کے چارون سمت چار بلند پھاٹک تھے، جن سے اسپ سوار مع علم کے گذر سکتا تھا، پھاٹکون کے نام باب الکوفہ، باب البصرہ، باب خراسان اور باب الشام تھے، ان پھاٹکون مین اتنے وزنی دروازے لگے تھے، کہ اُن کو جنبش دینے کے لئے ایک پوری جماعت کی ضرورت ہوتی تھی،

کرخ کی تعمیر ۱۵۷ھ مین منصور نے بغداد سے باہر لیکن اس سے متصل کرخ کے نام سے ایک نئی آبادی قائم کی، بغداد کی تعمیر کے وقت بازار شہر کے اندر تھے، اس لئے ہر قسم کے لوگ بلا روک ٹوک شہر مین آنے جانے تھے، اس زمانہ مین ایک رومی بطریق منصور کے دربار مین آیا، منصور نے اسے شہر دکھانے کا حکم دیا، دیکھنے کے بعد منصور نے شہر کے بارہ مین اس کی راے پوچھی، اس نے کہا نہایت خوبصورت اور مستحکم شہر ہے، لیکن یہ بڑا عیب ہے کہ آپکے دشمن آپ کے ساتھ رہتے ہین، منصور نے پوچھا وہ کیسے، بطریق نے کہا بازار شہر کے اندر ہین، اس لئے جاسوس تاجرون کے بھیس مین آسانی کے ساتھ حکومت کی خبرین باہر پہونچا سکتے ہین، منصور یہ سُن کر خاموش رہا، خطیب کے بیان کے مطابق بطریق نے کہا تھا کہ آپ کی تمام فوج ہر وقت آپ کے پاس رہتی ہے، اور جب رعایا بادشاہ سے قریب رہے گی، تو اس کا راز فاش ہو جائے گا، منصور نے اس وقت تو یہ کہکر ٹال دیا، کہ میری رعایا اور میرے درمیان کوئی راز ہی نہین ہے، لیکن بطریق کی بات اس کے دل مین لگ گئی، اس کی واپسی کے بعد اس نے بغداد سے باہر اور اس سے متصل کرخ کے نام سے ایک نئی آبادی بسائی، بغداد کی پہلی آبادی کی طرح اس مین بھی ہر چیز کے بازار جدا جدا تھے، اس کی تعمیر کے بعد بغداد کے تمام بازار اور عام آبادی کرخ مین منتقل کر دی اور ایک جامع مسجد بھی علحدہ تعمیر کرا دی (خطیب ج اول ص ۹، و معجم البلدان ج ۲، ص ۲۳۳)

کتاب البلدان ص ۲۳۹ ایضاً معجم البلدان ج ۲، ص ۲۳۳ تاریخ خطیب جلد اول صفحہ ۷۲)

کرخ کی تعمیر کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بغداد میں عام آبادی کی وجہ سے دھوئیں کی بڑی کثرت ہوگئی تھی، جس سے عمارتیں بھی سیاہ ہوجاتی تھیں اور لوگوں کو بھی تکلیف پہنچتی تھی[۱] اس کے اس کے علاوہ اسباب بھی بیان کئے گئے ہیں،

مہدیہ کی تعمیر بغداد کی تعمیر کے بعد ہی منصور نے اپنے ولی عہد مہدی کے لئے بغداد کے مشرقی جانب ایک وسیع محل مع جملہ لوازم مہدیہ کے نام سے تعمیر کرایا، اس کی مستقل شہر پناہ و خندق تھی[۲]، فوجیں بھی یہاں منتقل کردی تھیں، اس لئے مہدیہ عسکر مہدی بھی کہلاتا تھا[۳]، اور ہارون رشید نے اپنے زمانہ میں یہاں رصافہ کے نام سے ایک محل تعمیر کرایا تھا جس کی بنا پر آئندہ رصافہ بھی کہلانے لگا تھا،

منصور نے اپنے دوسرے لڑکوں امرا اور فوجی افسروں کو بھی بغداد کی طرح رصافہ میں زمین کے قطعے دیدئے تھے، جنھوں نے خود اپنے اپنے محلات بنوائے تھے، بغداد میں جگہ کی بڑی قلت تھی، اور رصافہ کا رقبہ نہایت وسیع تھا، اور لوگوں کو مہدی سے بڑی محبت تھی، اس لئے یہاں لوگ بکثرت آباد ہوگئے، اس کی آبادی بھی بغداد کی طرح مرتب تھی، ہر طبقے کے محلے اور ہر چیز کے بازار جدا تھے، چند دنوں میں یہ شہر بڑی تجارتی منڈی اور صنعت و حرفت کا بڑا مرکز بن گیا[۴]، اور منصور ہی کے زمانہ میں اتنا بڑا شہر ہوگیا، اور اس کی آبادی اتنی بڑھ گئی، کہ اس کی سڑکوں اور گلیوں کی تعداد چار ہزار مسجدوں کی پندرہ ہزار اور حماموں کی پانچ ہزار تک پہنچ گئی تھی، بازاروں کے کرایہ کی آمدنی بیس لاکھ درہم سالانہ ہوتی تھی[۵]،

مہدی نے اپنے زمانہ میں رصافہ کی آبادی میں اور اضافہ کیا اور یہاں جامع منصور سے بھی بڑی جامع مسجد تعمیر کرائی، (مراصد الاطلاع ج اول ص ۲۰۴) اور چند دنوں میں رصافہ بغداد کی ہمسری کرنے لگا پھر ہارون رشید خصوصاً اس کے وزراء برامکہ نے بڑے شاندار محل تعمیر کرائے، ہارون نے دجلہ کے

۱ معجم البلدان ج ۰ ص ۲۳۳ ۲ تاریخ خطیب ج اول ص ۸۲ ۳ معجم البلدان ذکر رصافہ ۴ کتاب البلدان ص ۲۵۱
۵ ایضاً ص ۲۵۴

ساحل پر رصافہ کے نام سے ایک محل تعمیر کرایا، برامکہ کے محل فن تعمیر کا بہترین نمونہ تھے، اس زمانہ میں تعمیرات میں اتنا اضافہ ہوا کہ شہر کا طول چار فرسخ تک پہنچ گیا[۱]

برامکہ کے محلوں کی عظمت و شان کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بعض بعض محلوں کی تعمیر پر دو دو کروڑ درہم صرف ہوئے تھے[۲]،

ہارون رشید کی لڑکی ام حبیب نے ایک محل بنوایا تھا، جو اس کے نام سے قصر ام حبیب مشہور تھا، برامکہ کے محلوں میں "قصر یحییٰ برمکی" قصر دارالخلافہ کے نام سے زیادہ مشہور تھے، قصر دارالخلافہ قصر حسنی بھی کہلاتا تھا، یہ محل ویران ہوگیا تھا، مامون کے وزیر حسن بن سہل نے دوبارہ اس کو آباد کرایا، اس میں وزیر مذکور کی لڑکی، مامون کی بیوی بوران رہتی تھی، پھر معتضد باللہ نے اپنے زمانہ میں اس سے لے کر اس کو جملہ ضروری سامانوں سے آراستہ کیا، اور اس کی عمارت میں توسیع کرائی (تاریخ خطیب ج اول ص ۱۰۹) قصر بغداد کے تمام محلوں میں سب سے عظیم الشان تھا اس کی چھت اور دیواریں جواہرات اور قیمتی پتھروں سے آراستہ تھیں،

ہارونی عہد میں بغداد انتہائی عروج پر پہنچ گیا، خطیب کا بیان ہے، کہ عمارتوں آبادی کی کثرت اور امن و رفاہیت کے اعتبار سے بغداد ہارونی عہد میں اوج شباب پر پہنچ گیا، اس کے دور میں یہ سبزہ و شاداب، آسودہ حال اور رعایا فارغ البال تھی[۳]،

سامرا کی آبادی پھر معتصم نے اپنے زمانہ میں بغداد سے قریب ایک شہر سامرا آباد کرایا، اس کا سبب یہ ہوا کہ معتصم نے ایرانیوں کا زور توڑنے اور ان کا اقتدار گھٹانے کے لئے جو مامون کے زمانہ سے خطرناک حد تک پہنچ گیا تھا، ترکوں کو آگے بڑھانا شروع کیا، اور سمرقند، فرغانہ، اور اشروسنہ سے ہزاروں ترکی غلام خرید کر منگائے، اور انھیں دیبا کی زرق برق وردیوں اور زیورات سے آراستہ کیا[۴] اور بڑے بڑے

۱ الفخری ص ۱۹۰ ۲ ابن اثیر ج ۶ ص ۸۰ ۳ خطیب ج اول ذکر بغداد ۴ تاریخ الخلفاء ص ۳۴۲

فوجی مناصب پر ممتاز کیا، اس سے ایرانیون کا اقتدار تو گھٹ گیا لیکن خود ترکون کا اقتدار بہت بڑھ گیا،

وہ بڑے وحشی اور تہذیب و تمدن سے ناآشنا تھے، اس لئے اہل بغداد ان کی وجہ سے بڑی مصیبت مین مبتلا ہو گئے، وہ سڑکون پر بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے تھے، عورتین بوڑھے بچے کچل جاتے تھے، اور ترک کوئی پروا نہ کرتے تھے، بغدادیون نے معتصم سے اس کی فریاد کی اُس نے انھین بغداد سے الگ رکھنے کے لئے اس سے قریب ایک شہر سامرا آباد کرایا، اور اسکی تعمیر کے بعد خود بھی وہین منتقل ہو گیا،[۱]

سامرا بغداد کے شمال جانب اس سے تیس میل کی مسافت پر تھا، آبادی سے پہلے یہ مقام بالکل ویران تھا، عیسائیون کی ایک خانقاہ کے علاوہ اور کوئی آبادی نہ تھی، منصور نے بغداد کی آبادی مین جو اہتمام کیا تھا، معتصم نے اسی اہتمام سے سامرا کو بسایا، اور اسی کے نقشہ کے مطابق اس کو تعمیر کرایا، تمام ممالک محروسہ سے صناع و کاریگر، ساکھو، ساگون، اور دوسری چوب عمارتی، بصرہ، علاقہ سواد انطاکیہ اور شام کے ساحلی علاقون سے منگائین، اور سنگ مرمر اور سنگ تراش لاذقیہ سے جو اس کا بڑا مرکز تھا، منگایا،

ترکون کی آبادی اہل شہر سے بالکل الگ رکھی، اور امرا و عمائد سلطنت کو زمین کے قطعات دیدیئے انھون نے اپنے اپنے محل بنوائے، بغداد کی طرح سامرا مین بھی ہر طبقہ اور ہر قبیلہ کے محلے الگ اور ہر چیز کے بازار جدا جدا تھے، پیشہ ورون اور اہل حرفہ کی آبادی ایک سلسلہ مین تھی، ہر آبادی یا محلہ اس کے باشندون یا وہان کے کسی ممتاز امیر کے نام سے موسوم تھا، مکانات بغداد کی عمارتون سے زیادہ وسیع اور سڑکین اس کی سڑکون سے زیادہ کشادہ تھین،

تمام سڑکین مختلف نامون سے موسوم تھین، ہر آبادی کے لئے مسجدین اور حمام جدا جدا تھے، وسط شہر مین جامع مسجد اور اس کے چارون طرف بازار تھے، معتصم کے کئی محل اور باغات تھے، ہر باغ کے وسط مین ایک عمارت نشست گاہ مین اور وسیع سبزہ زار تھے، دربار عام کے لئے ایک مستقل عمارت تھی جس مین

[۱] مروج الذہب مسعودی ج ۷، ص ۱۲۲، و تاریخ الخلفاء ص ۳۴۲،

معتصم دوشنبہ اور جمعہ کو دربار کرتا تھا، اس سے متصل خزائن عامہ و خزائن خاصہ کی عمارتین تھین،

سامرا کی زمین بالکل بنجر تھی، پانی کمیاب تھا، معتصم نے اس کو زرخیز اور شاداب بنانے کے لئے تمام ممالک محروسہ سے آبی زمین شناخت کرنے اور اس کو نکالنے والے مہندسین اور کھیتی اور باغبانی اور زمین کو زرخیز بنانے والے ماہرین جمع کر کے نہرین نکلوائین، اور بکثرت باغات لگوائے، اس کے علاوہ مختلف حصون کو زرخیز بنانے کا کام بڑے بڑے ترکی امراء کے علحدہ سپرد کیا، اور بغداد، بصرہ، اور علاقہ سواد سے کھجور کے درخت اور جزیرہ، شام، عراق، خراسان، رے وغیرہ سے پھل پھول کے درخت اور سبزیون اور ترکاریون کے بیج منگا کر لگائے، ان کوششون سے یہ بنجر علاقہ نہایت سرسبز و شاداب ہو گیا، اور باغون اور پھلون میوون اور ترکاریون کی اتنی کثرت ہو گئی، کہ خاص سامرا اور اس کے نواح کے بعض مواضعات کے باغات کی آمدنی چار لاکھ اشرفی سالانہ تھی،

سامرا کے دارالخلافہ بن جانے اور اس کی سرسبزی و شادابی کی وجہ سے یہان اس کثرت سے لوگ آباد ہونے لگے، کہ اس کی زمین سونے کے بھاؤ ہو گئی،[۱]

معتصم کے بعد واثق نے سامرا کی عمارتون مین اور اضافہ کیا، اور لب دجلہ قصر ہارونی کے نام سے ایک محل بنوایا، سامرا کے بازارون کو وسیع کرایا، عام لوگون نے بھی عمارتین بنوائین، واثق کے بعد متوکل نے قصر ہارونی مین قیام کیا، اور شہر مین دو نئی سڑکین شارع العسکر اور شارع الجدید کے نام سے نکالین، شہر سے باہر ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کرائی، اس مین فوارہ لگوایا، مسجد کے تین سمتون مین اتنی چوڑی سڑکین نکلوائین، کہ مع خدم و حشم کے آسانی کے ساتھ گذر سکے، سڑکون کے دورویہ دوکانین اور اس کے بعد کاتبون فوجی افسرون اور ہاشمی امراء کے مکانات تھے، اپنے لڑکون منتصر کو قصر جوسق مین مؤید کو مطیرہ مین اور معتز کو بلکوارا مین جو سامرا سے فاصلہ پر تھا، رہنے کا حکم دیا، اس سے سامرا سے لے کر بلکوارا تک مسلسل

[۱] یعقوبی نے سامرا کی آبادی کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے ہم نے اس کا خلاصہ نقل کیا ہے دیکھو کتاب مذکور ص ۲۵۰ تا ۲۶۴،

آبادی ہوگئی،[1]

یاقوت کا بیان ہے، کہ متوکل نے سامرا مین جیسی عظیم الشان عمارتین بنوائین ویسی کسی خلیفہ نے نہ بنوائی تھین، اس نے سات لاکھ اشرفیان ان عمارتون پر صرف کین، ان محلون کے نام یہ تھے، عروس، وحید، جعفری، غریب، شیدان، برج، صبح، ملیح، بستان، تل، برکوان، جوسق، قلائد، غرد، قصر متوکلیہ، بہو اور لولو، ہر محل کی تعمیر پر شعرا کو ان کی تعریف مین قصیدے کہنے کا حکم تھا، یاقوت نے بعض قصیدے نقل کئے ہین،[2]

یعقوبی نے محلون کے یہ نام لکھے ہین، شاہ، عروس، شبدار، بدیع، غریب اور برج، برج کی تعمیر پر بروایت یعقوبی سترہ لاکھ اشرفیان صرف ہوئی تھین، جو مبالغہ معلوم ہوتا ہے،[3]

قصر جعفری ایک مستقل شہر کی حیثیت رکھتا تھا، یہ محل بغداد کے محلہ کرخ سے تین فرسخ کی مسافت پر مقام ماحوزہ مین آباد کیا تھا، اور دجلہ سے چودہ میل کے فاصلہ پر تھا، پندرہ لاکھ روپیے کے صرف سے ایک بڑی نہر شہر مین لائی گئی تھی، جس کے دونون جانب آبادی تھی، متوکل کے لڑکون، افسران فوج، کاتبون اور دوسرے عہدہ دارون کے مکانات ایک سلسلہ مین تھے، متوکل کے محل کے تین عظیم الشان پھاٹک تھے جن سے اسپ سوار مع نیزہ کے گذر سکتا تھا، اور شہر کو تین میل لمبی اور چالیس گز چوڑی سڑک کے ذریعہ کرخ سے ملادیا گیا تھا، اور شہر کے دونون جانب بڑی نہر سے اس کی شاخین نکالی گئی تھین، عام بازار آبادی سے بالکل الگ تھے، اور ہر محلہ کے متعلق بھی ایک ایک بازار تھا، اس شہر کی تعمیر سے سامرا اور کرخ تک مسلسل آبادی ہوگئی تھی، درمیان مین کوئی جگہ خالی نہ تھی، محرم ۲۴۶ھ مین متوکل یہان منتقل ہوگیا، اور اس تقریب مین عمالان حکومت کو انعام واکرام سے نوازا، اور حکومت کے دفاتر بھی یہان منتقل ہوگئے،[4]

یاقوت کا بیان ہے، کہ یہ شہر سامرا سے زیادہ آباد اور بارونق تھا،[5]

---

۱ کتاب البلدان یعقوبی ص ۲۶۵ ۲ معجم البلدان ج ۵ ص ۱۵ و ۱۶ ۳ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۴۹۰ ۴ کتاب البلدان ص ۲۶۶ ۵ معجم البلدان ج ۳ ص ۱۱۰

متوکل نے عمارتون مین بعض جدتین بھی کی تھین، مسعودی کا بیان ہے، کہ اس نے ایک خاص قسم کی عمارتین بنوائی تھین، جو حیری، کمین اور اروقہ کہلاتی تھین، یہ عمارتین میدان جنگ کے نقشہ کے مطابق تھین، صدر عمارت مین جو رواق کہلاتی تھی نشست گاہ سلطانی تھی، اس کے دائین بائین جو کمین کہلاتے تھے، میمنہ اور میسرہ کی عمارتین تھین، ان مین خلیفہ کے مقربین اور خواص رہتے تھے، اس کے داہنے جانب توشہ خانہ، اور شمال مین آبدار خانہ تھا، اس کی تقلید مین اور شائقین نے بھی اس قسم کی عمارتین بنوائین،[1]

اس طریقہ سے ہر خلیفہ کے زمانہ مین اس کے ذوق کے مطابق عمارتون مین کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا رہا، معتضد نے مشرقی حصہ مین قصر التاج کے نام سے ایک محل بنوایا، اس کی تکمیل اس کے لڑکے مکتفی کے زمانہ مین ہوئی، اس کے گنبد اور ہال عجیب غریب تھے، اور اس کو ایک زمین دوز راستہ کے ذریعہ قصر حسنی سے جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، ملادیا گیا، جس سے حرم کی خواتین آتی جاتی تھین، شعراء نے اس قصر کی شان مین قصیدے کہے، ایک شعر یہ ہے،

حلت الثریا خیر دار و منزل فلا زال معمورا وبورک فی القصر

ایک قصر دار الشجرہ کے نام سے موسوم تھا، اس کے عجائبات کا ذکر آئندہ آئے گا، خلافت بغداد پر دیالمہ کے تسلط کے بعد دیلمی سلاطین نے علحدہ اپنے محل بنوائے، معز الدولہ کا محل بغداد کے بہترین محلات مین تھا (مناقب بغداد ابن جوزی ص ۲۶) عضد الدولہ دیلمی نے پرانی عمارتون کی مرمت پر پچاس لاکھ درہم صرف کئے (معجم البلدان)

مذکورۂ بالا محل بغداد کے مشرقی حصہ مین تھے، ان کے علاوہ مغربی حصہ مین بھی محلات کا ایک سلسلہ تھا، ان مین سے دار الغزیہ، دار بیدرک، حریم طاہری، دار الامیر حسن بن اسحٰق، دار النقابۃ الشاطیہ، دار ابن الجحر کے نام سے ملتے ہین، آخر الذکر محل مین وزیرون کو خلعت وزارت دیا جاتا تھا، اور خلفا عید کی مبارکباد

---

۱ مروج الذہب ج ۸ ص ۱۹۲ و ۱۹۳،

پینے کے لئے بیٹھ دربار کرتے تھے،

باغات عباسی تمدن کی ساری نیرنگیان عجمی تھین، اور سرزمین عجم سراپا باغ وبہار ہے، اس لئے خلفا، اور امرار کو آب رِدان، باغات اور سبزہ زار سے بھی بڑا ذوق تھا، اوپر معلوم ہو چکا ہے، کہ بغداد کی گلی گلی مین نہرین رِدان تھین اور معتصم نے سامرا کی بنجر زمین کو لہلہاتا ہوا سبزہ زار بنا دیا تھا، افسوس ہے، کہ مورخین نے باغات کی تفصیل نہین لکھی ہے، تاہم کہین کہین ضمناً اُن کا ذکر آجاتا ہے، جس سے ان کا کسی قدر اندازہ ہو جاتا ہے، یعقوبی نے بغداد کی نہرون کی کثرت کے سلسلہ مین لکھا ہے، کہ اہلِ بغداد نے بصرہ اور کوفہ کے کھجور یہان لگائے، اس کی زمین کی خوبی اور زرخیزی کی وجہ سے بصرہ اور کوفہ سے بھی زیادہ کھجور یہان ہونے لگے، اس کے علاوہ انھون نے مختلف قسم کے درخت لگائے، اور عجیب وغریب قسم کے پھل پیدا کئے، اور بغداد مین پانی کی کثرت کی وجہ سے بہ کثرت باغ وچمن ہو گئے،[1]

سرمن رائے کی بنجر زمین کو معتصم نے جس طرح سرسبز وشاداب اور باغ وچمن بنایا تھا، اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس نے متعدد مستقل باغ لگوائے اور ہر باغ مین نشست کے لئے عمارات اور تفریح کیلئے حوض، تالاب اور کھلے میدان تھے،[2] اس کے علاوہ مختلف خلفار نے باغات لگوائے، کتابون مین اُن کے حسب ذیل نام ملتے ہین، قصور ثمانیہ، رقہ، قصر احمری، عیسیٰ آباد، اور روضۃ الریاض، یہ باغات غالباً بغداد کے باہر تھے، اور خلفار گرمی کے موسم مین یہان رہا کرتے تھے،

بعض خلفار نے باغات کی آرائش مین بڑی جدتین پیدا کین، اس کی تفصیل آیندہ آئے گی عضد الدولہ دیلمی نے بغداد مین ایک باغ لگوایا تھا، جو بستان مخرم کے نام سے موسوم تھا، اس کی تعمیر پر پچاس لاکھ درہم صرف ہوئے تھے،[3]

امیر اسمٰعیل نے لاکھون روپے کے صرف سے ایک باغ لگوایا تھا، ایک باغ بستان ظاہر بغداد کے

[1] کتاب البلدان ص ۲۵۱ [2] ایضاً ص ۲۶۴ [3] تاریخ خطیب جلد اول ص ۱۰۰،

مشہور باغون مین تھا، یہ وسط شہر مین تھا اور دو سو جریب کے وسیع رقبہ مین پھیلا ہوا تھا، بغداد سے باہر اور اس سے متصل ایک نہر کے کنارے کنارے باغون کا وسیع سلسلہ تھا، اور اس نہر کے ایک پل کا نام ہی قنطرۃ البستان پڑ گیا تھا،

بغداد کی وسعت تاریخون مین بغداد کی وسعت اور اس کی آبادی کی کثرت کے حالات بظاہر مبالغہ آمیز معلوم ہوتے ہین، لیکن درحقیقت ان مین کوئی مبالغہ نہین ہے، اس لئے کہ بغداد ایک نہین بلکہ کئی شہرون کا مجموعہ تھا، جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اور ان مین سے ہر شہر جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے، نہایت عظیم الشان تھا، بلکہ ان کا ایک ایک محلہ ایک ایک شہر کے برابر تھا، ابوالوفا ابن طفیل کا بیان ہے کہ مجھ سے ایک معزز خراسانی نے بغداد کا حال پوچھا، مین نے کہا مین نہ بتاؤن گا، اس لئے کہ تم اس کو مبالغہ سمجھو گے، بس اتنا سمجھ لو کہ اس کا ایک ایک محلہ شام کے بڑے سے بڑے شہر کے برابر ہے،[1]

مختصر یہ ہے کہ بغداد بجائے خود ایک عالم تھا، رقبہ کی وسعت، آبادی کی کثرت، علم وفن، صنعت وحرفت و تجارت، اخلاق وتہذیب، جملہ مادی اور اخلاقی اوصاف وکمالات مین اس زمانہ کا دنیا کا کوئی شہر اس کا مقابلہ نہین کر سکتا تھا، اس کی آبادی مختلف حالات واسباب کی بنا پر مختلف زمانون مین گھٹتی بڑھتی رہی، اس لئے اس کے صحیح اعداد وشمار نہین بتائے جا سکتے، تاریخون مین اس کی مختلف چیزون کے جو اعداد ملتے ہین ان سے اُس کی وسعت وآبادی کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے بغداد کے دو حصے تھے، مغربی اور مشرقی، دونون کا مجموعی رقبہ ۵، ۳ ۵۳ جریب تھا (سیر الملوک اربلی ۵۵) ایک جریب ۳۶۰ گز کی ہوتی ہے، مغربی جانب کی سڑکون اور گلیون کی تعداد چھ ہزار اور مشرقی سمت کی چار ہزار تھی،[2] مسجدون کی تعداد تیس ہزار اور حمامون کی دس ہزار تھی[3] لیکن مختلف زمانون مین یہ تعداد گھٹتی بڑھتی رہی، معتضد کے زمانہ مین حمامون کی تعداد سترہ ہزار تک پہنچ گئی تھی،[4] بعض روایتون کے مطابق تو مساجد اور حمامون

[1] مناقب بغداد ص ۲۲ [2] تاریخ خطیب جلد اول ص ۱۰۰ [3] کتاب البلدان ص ۲۵۰ [4] خطیب جلد اول ص ۱۱۸

کی تعداد مبالغہ آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے،

دجلہ پر متعدد پل تھے، اُن کے باوجود مشرقی اور مغربی دونوں سمتوں میں آمد و رفت کے لئے تین ہزار کشتیاں چلتی تھیں، اور ملاحوں کی آمدنی نوے ہزار درہم روزانہ تھی[1]، بازاروں کا کرایہ بارہ کروڑ درہم سالانہ تھا، (مناقب بغداد ص ۱۱)

قاضی ابو الحسن کا بیان ہے، کہ ۳۴۵ھ میں جب محمد بن احمد نے موضع بادوریا کا ٹھیکہ لیا، تو اس زمانہ میں نواح بغداد کے مواضعات میں صرف کاہو (یہ اہل بغداد کی مرغوب ترکاری تھی) کی کاشت دو ہزار جریب تھی، جس کی قیمت پچاس ہزار اشرفی ہوتی تھی، یہ سارا کاہو بغداد میں صرف ہوتا تھا، جس شہر میں پچاس ہزار اشرفی سالانہ کی صرف ایک ترکاری صرف ہوتی ہو، اس کی آبادی کی کثرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

اسی طریقہ سے خمس کا ستو جس کو صرف ادنیٰ درجہ کے معمولی لوگ کھاتے تھے، اور وہ بھی سال کے دو مہینوں میں جب بغداد میں پھل کی کمی ہوتی تھی، صرف ایک بازار میں اوسطاً ایک سو چالیس کُر صرف ہوتا تھا[2]،

ابن جبیر اندلسی کا بیان

مشہور سیاح ابن جبیر اندلسی نے چھٹی صدی کے آخر میں جب بغداد مسلسل انقلابات سے ویران ہو چکا تھا، بغداد کا سفر کیا تھا، اور اپنے سفرنامے میں اس کے حالات لکھے ہیں، یہ بیان عروس البلاد کا گویا مرثیہ ہے، تاہم اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اس اُجڑی ہوئی حالت میں بھی وہ کس پایہ کا شہر تھا، وہ لکھتا ہے،

"یہ پرانا شہر گو ہمیشہ سے عباسی خلافت کا پایہ تخت اور قریشی وہاشمی امامت کا مرکز رہا ہے، مگر اس کی گذشتہ عظمت کے مقابلہ میں اب اس کی حیثیت ایک کھنڈر ایک مٹے ہوئے نشان اور

---

[1] خطیب ج اول ص ۱۱۷، [2] نشوار المحاضرہ ص ۷۶،

ایک خیالی صورت رہ گئی ہے، موجودہ شہر دو حصوں میں تقسیم ہے، ایک دجلہ کے مشرقی سمت اور دوسرا مغربی سمت، مغربی حصہ کسی زمانہ میں بہت آباد تھا، لیکن اب ویران ہو چکا ہے اور مشرقی حصہ آباد ہے، یہ شہر ویرانی کے باوجود سات محلوں پر مشتمل ہے، جن میں سے ہر محلہ اپنی وسعت و آبادی کی کثرت کے لحاظ سے مستقل شہر کی حیثیت رکھتا ہے، ہر محلہ میں کئی کئی حمام ہیں، آٹھ جامع مسجدیں ہیں، سب سے بڑے محلہ کا نام قریہ ہے، جس میں ہم ٹھہرے تھے، یہ محلہ دجلہ کے ساحل پر ہے، یہاں پہلے پل تھا، جو سیلاب میں بہ گیا ہے، اب کشتیوں کے ذریعہ آمد و رفت ہوتی ہے، کشتیاں بے شمار ہیں، اور رات دن لوگوں کے ہجوم سے میلہ سا لگا رہتا ہے، معمولاً ہر جگہ دو پل ہیں، ایک شاہی محلات سے متصل، دوسرا ان سے الگ، لیکن آمد و رفت کے لئے یہ پل ناکافی ہیں، ہر وقت کشتیاں چلتی رہتی ہیں، دوسرا محلہ کرخ ہے، اس کے گرد مستقل شہر پناہ ہے، تیسرا محلہ باب البصرہ ہے، یہ بھی ایک مستقل شہری حیثیت رکھتا ہے، یہیں وہ عظیم الشان جامع مسجد ہے، جو جامع منصور کے نام سے موسوم ہے، چوتھا محلہ شارع ہے، یہ بھی گویا ایک شہر ہے، یہ چاروں بڑے محلے ہیں، محلہ شارع اور باب البصرہ کے درمیان ایک محلہ سوق المارستان ہے، اس کی حیثیت ایک چھوٹے سے شہر کی ہے، بغداد کا مشہور و معروف شفاخانہ اس محلہ میں ہے، اس میں مریضوں کے علاج، اور اُن کی دیکھ بھال کے لئے باون اطبا اور معالجین ہیں، مریضوں کی جملہ ضروریات کا انتظام شفاخانہ کی جانب سے ہوتا ہے، اطبا کے علاوہ مریضوں کی تیمارداری اور دوا و غذا وغیرہ کی تیاری کے لئے علحدہ ملازمین ہیں، شفاخانہ کی عمارت ایک عالیشان قصر کی سی ہے، جس میں بہت سے کمرے ہیں، اور اس کا ساز و سامان شاہانہ ہے، شفاخانہ میں دجلہ سے پانی آتا ہے، سب محلوں کا تذکرہ طویل ہوگا، مثلاً ایک محلہ وسیطہ ہے جو دجلہ اور فرات کی ایک شاخ کے درمیان آباد ہے، اس کے ذریعہ سارے فراتی علاقوں کا سامان

بغداد آتا ہے،

ایک محلہ عتابیہ ہے، یہان بغداد کا مشہور عتابی کپڑا جو مختلف الالوان ریشم اور سوت سے بنایا جاتا ہے، تیار ہوتا ہے، ایک محلہ حربیہ ہے، اس کے بعد بغداد کی آبادی ختم ہو جاتی ہے،

مغربی حصہ تمام تر باغات اور چمنستان پر مشتمل ہے، یہان سے مشرقی حصہ مین میوے جاتے ہین، آجکل دار الخلافہ اسی حصہ مین ہے، شاہی محلات شہر کے چوتھائی بلکہ اس سے زیادہ حصہ کو گھیرے ہوئے ہین، تمام شاہی خاندان کے نظربند ارکان ان محلون مین رہتے ہین، اُن کے لئے ہر طرح کی سہولتین مہیا ہین، صرف احاطہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہین ہے،

مغربی حصہ مین عالیشان شاہی محلات، دلفریب باغات اور بڑے بڑے مرتب بازار ہین، اُن مین ہر وقت آدمیون کا اتنا ہجوم رہتا ہے، کہ ان کا شمار مشکل ہے، تین بڑی جامع مسجدین ہین، خلیفہ کی جامع مسجد اس کے محل کے قریب ہی یہ بڑی وسیع مسجد ہے، اس مین بڑے بڑے حوض اور سقادے ہین، اور ہر قسم کے ساز و سامان سے آراستہ ہے، دوسری جامع سلطان کے نام سے موسوم ہے، یہ مسجد ان سلاطین[1] کے محلون کی جانب منسوب ہے، جو موجودہ خلیفہ کے اجداد کے زمانہ سے، خلافت عباسیہ کے منتظم ہوگئے ہین، تیسری جامع رصافہ ہے، رصافہ مین عباسی خلفاء کی قبرین ہین، بغداد کی مسجدون مین گیارہ مین جمعہ ہوتا ہے؛ اس حصہ مین حمامون کی تعداد بے شمار ہے، مجھ سے ایک معتبر آدمی نے بیان کیا، کہ دونون حصون مین دو ہزار کے قریب حمام ہون گے، اُن کی دیوارون اور فرش پر سیاہ رنگ کا ایسا چمکدار روغن ہے، کہ دیکھنے والون کو سیاہ سنگ رخام کا دھوکا ہوتا ہے،...... مسجدون کی اتنی کثرت ہے کہ ان کا شمار کیا اندازہ بھی نہین کیا جا سکتا، تیس مدرسے ہین، اور ہر مدرسہ کی عمارت ایسی عالی شان ہے، کہ بڑے بڑے محلون کو شرماتی ہے، ان مین سب سے بڑا مدرسہ نظام الملک کا قائم کیا ہوا نظامیہ ہے، ۵۰۴ھ مین اس کی

[1] سلاطین سے مراد وہ بادشاہ ہین، جو خلافت عباسیہ کے زوال کے بعد اس کے متولی ہوگئے تھے، مثلاً دیالمہ اور اُن کے بعد سلجوقی خاندان،

دوبارہ تجدید ہوئی تھی، ان مدارس پر بڑی بڑی جائدادین وقف ہین، جن سے فقہاء و مدرسین کو تنخواہین اور طلبہ کو وظیفے اور دوسرے اخراجات ملتے ہین، ان اطراف کو اس قسم کے مدارس اور شفاخانون کے قیام مین بڑا شرف اور غیر فانی فخر حاصل ہے،

مشرقی حصہ کے چار پھاٹک ہین، باب السلطان، باب الظفریہ، باب الحلبہ اور باب البصلیہ، یہ پھاٹک شہر پناہ مین ہین، جو نصف مستطیل دائرہ کی شکل مین شہر کو گھیرے ہوئے ہے، شہر پناہ کے اندر بازارون کے بکثرت پھاٹک ہین، غرض اس گئی گذری ہوئی حالت مین بھی اس شہر کی شان و عظمت تعریف و توصیف سے بالاتر ہے،[2]

بغداد تنہا رقبہ کی وسعت، آبادی کی کثرت اور عمارتون کے شان و شکوہ مین ممتاز نہ تھا، بلکہ دنیا کی ساری بھلائیون کا مخزن تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری نعمتین اس مین جمع کر دی تھین، مورخین نے اس کے مختلف اوصاف و خصوصیات کا حال لکھا ہے، یعقوبی لکھتا ہے کہ

رقبہ کی وسعت، آبادی کی کثرت، پانی کی فراوانی، آب و ہوا کی خوبی مین مشرق و مغرب کا کوئی شہر اس کا مقابلہ نہین کر سکتا، یہان مختلف شہرون اور ملکون کے مختلف طبقون کے لوگ آباد ہین، اور دور دراز کے باشندون نے اپنے وطنون کو چھوڑ کر یہان سکونت اختیار کر لی ہے، کوئی شہر ایسا نہین ہے، جہان باشندون کے محلے تجارت اور کاروبار یہان نہ ہو، اس لئے یہان ساری دنیا کی نعمتین جمع ہو گئی ہین، جو دنیا کے کسی اور شہر کو نصیب نہین، یہان دو بڑے دریا دجلہ اور فرات ہین، اس سے خشکی اور تری دونون راستون سے نہایت آسانی کے ساتھ ہر طرح کا تجارتی سامان آتا ہے، اور ہندوستان، سندھ، چین، تبت، ترک، دیلم، خزر، حبشہ وغیرہ، مشرق و مغرب کے تمام اسلامی اور غیر اسلامی ملکون کا سامان، اُن کی پیداوار اور مصنوعات، جس کثرت، سہولت اور آسانی سے یہان ملتی ہین، اتنی سہولت سے خود ان ملکون مین نہین ملتین، سارے روے زمین کی پیداوار کھنچ کھنچ کر یہان

[2] رحلہ ابن جبیر ص ۲۲۵ تا ۲۲۹ ہم نے ابن جبیر کے بیان کا صرف ضروری حصہ نقل کیا ہے، غیر ضروری باتین قلم انداز کر دی ہین،

آتی ہے، دنیا کے سارے ذخیرے یہان جمع ہوگئے ہین، اور سارے عالم کی برکتین اس پر تمام ہوگئی ہین،

ریاضی کے حساب سے وہ اقلیم رابع مین ہے، جو معتدل اقلیم ہے، اس لئے اس کی آب وہوا ہر موسم مین معتدل رہتی ہے، گرمیون مین تیز گرمی پڑتی ہے، اور جاڑون مین تیز ٹھنڈک خریف اور ربیع دونون مین موسم اعتدال پر رہتا ہے، اور تداخل کے موسم مین آب وہوا مین کوئی بڑا تغیر نہین ہوتا، اس لئے یہان کی آب وہوا معتدل مٹی اچھی اور پانی شیرین ہے، درختون کی بالیدگی، اور نشو ونما اچھی ہوتی ہے، پھل خوش ذائقہ اور کھیتی ثمرور شاداب ہوتی ہے، کھیتی مین زیادہ مشقت نہین اٹھانا پڑتی جس سے پیداوار کی کثرت ہے، ہوا کے اعتدال، زمین کی خوبی اور پانی کی شیرینی کی وجہ سے یہان کے باشندون کے اخلاق پسندیدہ، چہرے شاداب اور ذہن تیز ورسا ہوتا ہے، اور وہ عقل و دانش، فہم و ذکا، علم و ادب، ژرف نگاہی، قوت امتیاز، اور تجارت وصنعت وحرفت وغیرہ مین ساری دنیا مین فائق، اور ہر فن اور ہر پیشہ کے ماہر ہوتے ہین، یہان کے عالمون سے بڑھکر فاضل، یہان کے راویون سے بڑے راوی، یہان کے متکلمون سے زیادہ مناظر، یہان کے نحویون سے زیادہ صحیح الاعراب، یہان کے قاریون سے زیادہ مجود قرأت یہان کے طبیبون سے زیادہ حاذق، یہان کے گویون سے بڑے مغنی، یہان کے صناع وکاریگرون سے زیادہ چابک دست، یہان کے کاتبون سے زیادہ ادیب خوشنویس، یہان کے منطقیون سے زیادہ لسان اور گویا، یہان کے عابدون سے بڑے عابد، یہان کے زاہدون سے بڑے متورع، یہان کے قاضیون سے زیادہ فقیہ، یہان کے خطیبون سے زیادہ زبان آور، یہان کے شاعرون سے بڑے سخنور حتی کہ یہان کے رندون سے بڑھکر جری اور بے باک کہین کے رند نہین، ہر فن کے لوگ اپنے اپنے فن مین طاق ہین[1]

مصنف خطیب بروایت ابوالحسین لکھتے ہین کہ

بغداد کے فضائل ومناقب بے شمار ہین، جو اللہ تعالی نے روے زمین کے تمام شہرون مین صرف

[1] کتاب البلدان ص ۲۳۳ تا ۲۳۵۔

اسی کو عطا فرمائے ہین، یہان کے باشندون کے اخلاق حمیدہ اور خصائل پسندیدہ ہین، پانی شیرین اور میوون کی کثرت ہے، ہر فن اور پیشہ کے ماہر موجود اور ہر ضرورت کا سامان مہیا ہے، بدعات سے امن ہے، علماء وطلبہ فقہاء وطالبین فقہ، اکابر متکلمین، حساب ونحو کے ماہرین، قادر الکلام شعراء، انساب واخبار کے راویون کی کثرت ہے، ہر نادر چیز یہان موجود ہے، اور ہر فصل کے میوے ہر وقت اور ہر موسم مین بغداد کے علاوہ اور کسی شہر مین نہین مل سکتے، خصوصاً خزان کے موسم مین مسلمانون کی کثرت ہے، اگر کسی کو کسی سبب سے کوئی محلہ یا گلی پسند نہ ہو تو اس کو آسانی کے ساتھ بدل سکتا ہے، اور اوس کو اس کی پسند کا وسیع وکشادہ مکان سہولت سے مل جائے گا، وہ دشمن سے خوف زدہ لوگون کے لئے جاے پناہ ہے، بڑے بڑے ملک التجار، باعظمت سلاطین اور خاندانی اور صاحب وجاہت اشراف ومعززین ہر ہر محلہ مین موجود ہین جن کے جود وکرم کا چشمہ غرباء اور اہل حاجت کے لئے ہر وقت جاری رہتا ہے، بغداد اللہ تعالی کا ایسا بے کران خزانہ ہے جس کی حقیقت سے اس کے علاوہ اور کوئی پوری طرح آگاہ نہین ہے[1]

ایک دوسری روایت مین لکھتے ہین، کہ جلالت وعظمت، علماء واعلام کی کثرت، خواص وعوام کی تہذیب وشایستگی، رقبہ کی وسعت، مکانات، محلون، گلیون، پھاٹک بند کوچون، سڑکون، بازارون، مسجدون، حمامون، اور سراؤن کی کثرت آب وہوا کی خوبی، پانی کی شیرینی، درختون کی چھاؤن ان کی ٹھنڈک سردی وگرمی کے اعتدال، ربیع وخریف کی صحت آبادی کی خارج از شمار کثرت مین دنیا کا کوئی شہر بغداد کا مقابلہ نہین کرسکتا، اس کی آبادی اور رونق کے عروج کا زمانہ ہارون رشید کا عہد تھا، اس کے بعد مسلسل انقلابات نے اس کو ویران کر دیا،[2]

بشاری مقدسی لکھتا ہے:۔

بغداد اسلام کا سب سے بڑا شہر اور مدینۃ السلام ہے، اور یہان کے باشندے مجموعہ محاسن خوش طبع ذہین

[1] تاریخ خطیب ج اول ص ۵۱ [2] ایضاً ص ۱۱۹

وذکی اور لطیف المزاج ہین، جو انہایت ہلکی اور لطیف اور علم نہایت گہرا ہے، بغداد ہر عمدہ چیز اور ہر خوبی کا مخزن، اور ہر فن کے ماہرین کا مرکز ہے، ہر دل اس کی جانب کھنچتا ہے، وہ جمال و کمال کی بنا پر رشک و رقابت کی کشمکش اور حمایت و مدافعت کی رزمگاہ ہے، اس کی شہرت توصیف سے مستغنی اور اس کی خوبی حدِ توصیف سے خارج، اور مدح وستایش کے درجہ سے بلند ہے،[۵۱]

بعض اہلِ نظر نے اس کے محاسن پر یہ جامع تبصرہ کیا ہے،

وہ جنتِ ارضی سلامتی کا شہر قبۃ الاسلام، اصحابِ کمال کا مرکز، قدردانی، شہرون کا سرتاج، عراق کی آنکھ کا تارا، مستقر خلافت، محاسن وطیبات کا مرکز، لطائف وظرائف کا معدن ہے، یہان ہر فن کے کاملین اور ہر جنس کے ماہر موجود ہین،[۵۲]

اس زمانہ کے ایک بڑے سیاح ابوالقاسم دیلمی کا بیان ہے کہ

مین نے سمرقند سے لے کر قیروان تک اور سرندیپ سے لے کر روم تک کا سفر کیا، مگر بغداد سے بہتر اور پاکیزہ شہر نہین دیکھا، عراق سے نکلنے کے بعد ساری دنیا دیہات معلوم ہوتی ہے، مشہور ادیب جاحظ کا بیان ہے کہ مین شام اور روم اور دوسرے ملکون کے بڑے بڑے خوبصورت شہر دیکھے، مگر بغداد سے زیادہ بلند عمارتون، اس سے زیادہ مدور شاندار، وسیع وکشادہ پھاٹکون اور مضبوط فصیل کا شہر نہین دیکھا، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ پورا شہر ڈھلا ہوا ہے، (خطیب ج اول ص ،،)

مشہور فلسفی اور ادیب ابوالعلاء معری کہا کرتا تھا، کہ بغداد بہت بڑا شہر ہے، یہان تم ہر دن نئے نئے اصحاب فضل وکمال پاؤگے، جس کو اس سے پہلے دن نہ پایا تھا،[۵۳]

شیخ ابواسحٰق فیروزآبادی کا مقولہ تھا، کہ جو سلیم العقل اور صحیح المذاق ایک مرتبہ بھی بغداد آجائے گا، وہ یہان سے مرکر نکلے گا، یا یہان مرنے کی تمنا دل مین لے جائے گا،[۵۴]

---

۵۱ احسن التقاسیم بشاری ص ۱۱۹، ۵۲ معجم البلدان ج ۲ ص ۲۳۷، ۵۳ تاریخ خطیب ج اول ص ۱۲۹،
۵۴ معجم البلدان ج ۲ ص ۲۳۷ و ۲۳۸،

بغداد کی آبادی اتنی مرتب اور اس کی عمارتین اتنی خوبصورت تھین، کہ دوسرے ملکون کے فرمانروا اس کا نقشہ بنواتے تھے، خطیب نے یہ روایت نقل کی ہے، کہ قیصر روم نے بغداد کے بازارون، محلون، مشرقی ومغربی حصون کا نقشہ بنوایا تھا، مشرقی حصے کی ترتیب خصوصاً شارع المیدان، اور شارع سویقہ نصر ابن مالک الخزاعی اور اس کے بازارون اور سڑکون کی عمارتین، جو قنطرۃ البردان تک چلی گئی تھین، اس کو بہت پسند تھین، وہ شراب نوشی کے وقت اس نقشہ کو سامنے رکھتا تھا، اور کہتا تھا کہ مین نے اس سے زیادہ خوبصورت عمارتین نہین دیکھین،[۵۵]

اس قسم کے سیکڑون واقعات و اقوال بغداد کی تعریف مین زبان زد خاص وعام تھے، یہ اس زمانہ کا مشہور مقولہ تھا، کہ بغداد کے علاوہ ساری دنیا دیہات ہے، اور جس نے بغداد نہین دیکھا، اس نے دنیا نہین دیکھی،

بغداد کے عوام اور اہلِ حرفہ ایسے مہذب اور شایستہ ہوتے تھے، کہ اُن سے بڑے بڑے لوگ تہذیب وشایستگی کا سبق سیکھتے تھے، مشہور صوفی حضرت ذوالنون مصری فرماتے تھے، کہ جس کو خلق ومروت سیکھنا ہو وہ بغداد کے بہشتیون سے سیکھے، مجھکو جب بجولان بغداد لے جایا گیا،[۵۶] تو میرے سامنے سے ایک سقا گذرا، وہ مندیل کا تہمد اور دیبقی کا عمامہ باندھے تھا، ہاتھ مین نازک مٹی کے آبخورے، اور شیشے کے ترشے ہوے گلاس تھے، اس وضع قطع مین دیکھ کر مین سمجھا کہ شاہی سقا ہے، معلوم ہوا شاہی نہین عام بہشتی ہے، مین نے اس سے پانی مانگا، اوس نے بڑھ کر کورے آبخورے مین پانی دیا، جس سے مشک کی خوشبو آرہی تھی، مین نے اپنے ساتھی سے ایک دینار دینے کا اشارہ کیا، سقا نے لینے سے انکار کیا، اور کہا قیدی سے کچھ لینا اخلاق ومروت کے خلاف ہے،[۵۷] (باقی)

---

۵۵ تاریخ خطیب ج اول ص ۵۶ متوکل علی اللہ کے زمانہ مین آپ پر الحاد و زندقہ کا الزام لگایا گیا تھا، اور اسکی تحقیقات کے لئے وہ پا بجولان بغداد لائے گئے تھے، لیکن تحقیق سے یہ الزام غلط ثابت ہوا اور آپکی باتین سنکر متوکل آپ کا معتقد ہوگیا،
۵۷ خطیب ج ۱ ص ۵۰،

اسلامی حکمرانون سے مسلمانون کی

ایک بیجا شکایت

از

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

(۳)

بلاشبہہ تبلیغ و دعوت جیسے ہر مسلمان کے فرائض مین داخل ہے، ہمارے سلاطین و امراء پر بھی یہ
فرض عائد ہوتا تھا، لیکن ہر عامی مسلمان مین اسی فرض کا کیا بہت سے دوسرے اسلامی فرائضُ واجبات
کا احساس جیسے مردہ ہو جاتا ہے، اسی طرح اسلامی حکمرانون کے متعلق بھی یہ دعوی نہین کیا جا سکتا کہ سب
مین اس فرض کا احساس زندہ تھا، تاہم اس زمانہ کے مفروضہ اغراض و مقاصد کو پیشِ نظر رکھکر نہین
بلکہ دین کی اشاعت کا جو واقعی مقصد خود دین کے لانے والے نے بتایا ہے، اس کو سامنے رکھکر یہ واقعہ
ہے، کہ ہر دور مین ہم حکمرانون کے طبقات مین بھی اس جذبہ کو زندہ اور بیدار پاتے ہین،

نبوت کے منہاج اور طریقہ کی پابندی کرتے ہوئے جنھون نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانشینی
اور خلافت کی ذمہ داریون سے عہدہ برآ ہونے مین کامیابی حاصل فرمائی، یعنی حضرات خلفاے راشدین
رضی اللہ تعالی عنہم انھون نے اس راہ مین جو کچھ کیا، اس سے تو خیر دنیا واقف ہے، خلافتِ راشدہ
کے اس عہد مین سچی بات تو یہی ہے کہ دین اور دین کی تبلیغ و اشاعت کے سوا کوئی دوسرا کام اسلامی
حکومت کے سامنے تھا ہی نہین، اس مسئلہ مین ان حضرات کے استغراق و غلو کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے

روم و ایران کے علاقے جو فتح ہوئے، اور جن دفاتر سے ان علاقون کی حکمرانی وابستہ تھی، کون نہین جانتا کہ
ان دفترون کی زبان اور خط تک کے بدلنے کی طرف توجہ نہین کی گئی، ایرانی علاقون مین فارسی زبان و
خط اور رومی علاقون مین رومی زبان و خط ہی کا رواج بنی امیہ کے ابتدائی عہد تک باقی رہا[1]، بلکہ جہانتک
میرا خیال ہے، سکہ جسے ہر زمانہ مین حکومتون نے اپنا خصوصی شعار اور حکمرانی کی علامت قرار دیا ہے، لیکن
ایشیا اور افریقہ کے بہت بڑے حصہ پر قابض ہو جانے کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خلفاے
راشدین کی خصوصی توجہ ٹکسال بنانے کی طرف متوجہ نہ ہوئی، جس کی وجہ مین تو یہی سمجھتا ہون کہ اُن کے
سامنے دین کے سوا کوئی دوسری چیز تھی ہی نہین، ساری نسل انسانی تک پہنچانے کے لئے خدا کی طرف
سے آخری دینی پیغام اُن کے سپرد ہوا تھا، اسی پیغام کو وطنی، نسلی، لونی، لسانی وغیرہ وغیرہ خود ساختہ
امتیازی خصوصیات سے قطع نظر کر کے ہر اس شخص تک پہنچا دینے کی ایک ہی دھن تھی، جس مین وہ تن تنہا ڈوبے

---

[1] البلاذری نے لکھا ہے کہ امیر معاویہ اور یزید پھر مروان بنی امیہ کے ان حکمرانون کے زمانہ تک اسلامی علاقہ کے سارے
سرکاری دفاتر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ سے رومی زبان اور خط ہی مین رہے، عبد الملک بن مروان کے زمانہ
مین دفتر کے ایک رومی صیغہ دار کے متعلق عبد الملک تک یہ خبر پہنچائی گئی، کہ دوات مین پانی ڈالنے کی ضرورت تھی
رومی صیغہ دار نے بجاے پانی کے اس مین پیشاب کر دیا، مقدمہ کی تحقیقات کی گئی، اور مجرم کی سزا ہوئی، اسی کے بعد
عبد الملک نے سلیمان بن سعد کو بلا کر حکم دیا، کہ دفتر کو عربی زبان مین منتقل کر دیا جائے، سال بھی پورا ہونے نہ پایا کہ رومی
علاقے کے سارے دفاتر کی زبان عربی ہو گئی، مگر لطف یہ ہے کہ ایرانی علاقے مین دفتر کی زبان پھر بھی فارسی ہی باقی رہی تا آخر
حجاج کے زمانہ مین صالح بن عبد الرحمن نے اس کو بھی عربی مین منتقل کیا، یہی حال سکے کا بھی نظر آتا ہے، با ضابطہ ٹکسال
بھی عبد الملک ہی کے زمانہ مین قائم ہوئی، قصہ جس کا طویل ہے، مصری کپڑون پر رومی زبان مین خاص قسم کا طغرا بنا تھا،
عبد الملک نے منع کر دیا، اور عربی مین طغرے کاڑھنے کا حکم دیا، قسطنطنیہ کے قیصر کو جب اس کی خبر ملی تو عبد الملک کو اس نے خط
لکھا کہ سکہ تو تمھارے ملک مین ہمارے ہان کا چلتا ہے، اب ہم ہر سکہ پر تمھارے پیغمبر کے نام گالیان چھاپنے کا حکم دیدین گے، خط کو پڑھ کر عبد
الملک بہت پریشان ہوا لکھا ہے کہ گھبراہٹ مین ٹہلتا تھا، اور کہتا تھا، کہ اگر ایسا ہوا تو اسلام مین مجھ سے زیادہ بدبخت آدمی کوئی
پیدا نہ ہوا کہ پیغمبر کی ایسی اہانت اُس کی وجہ سے ہوئی، پھر لوگون نے مشورہ دیا کہ دار الضرب خود قائم کرو، یہی کیا گیا (علم الدین ص ۵۲۵)

ہوئے تھے، نظر کی اسی وسعت کا اقتضاء تھا کہ ہر ملک کو وہ اپنا ملک، ہر قوم کو اپنی قوم خیال کرتے تھے، تحصیل و وصول کے دفاتر کی زبان کیا ہے، اور لین دین لوگ کس حکومت کے سکّے سے کر رہے ہیں، ان چیزوں کی کوئی اہمیت ہی ان بزرگوں کی نگاہ میں نہ تھی، اسی لئے میری گفتگو کا تعلق خلافتِ راشدہ کے حکمرانوں سے ہے بھی نہیں، بلکہ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اس عہد کے بعد ہزار بارہ سو صدیوں تک، دنیا کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کی جو حکومتیں قائم ہوتی رہی ہیں، اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خلافتِ راشدہ کی دینی خصوصیتوں سے ان پچھلے حکمرانوں کی حکومتیں آئندہ زمانوں میں بتدریج عموماً محروم ہوتی چلی گئیں، تاہم آپ ابھی مجھ ہی سے کچھ دیر پہلے سن چکے کہ دولتِ عباسیہ کے دوسرے فرمانروا ابوجعفر منصور نے اپنے عیسائی طبیب جرجیس کے سامنے اپنی جس آخری آرزو کا اظہار کیا تھا، وہ یہی تھی، کہ جرجیس! تم اسلام قبول کرلو، میں جنت کی ضمانت تمہارے لئے لیتا ہوں؛

اسی ابوجعفر منصور کے پوتے یعنی ہارون الرشید نے قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ کے نام ایک مبسوط و مفصل تبلیغی مراسلہ جو بھیجا تھا، تاریخوں میں اس کی نقل آج تک محفوظ ہے، جس سے صرف اسی کا اندازہ نہیں ہوتا ہے، کہ دوسری قوموں اور امتوں تک اسلامی دین کے پہونچانے کا شوق ہارون پر کس درجہ مسلط تھا، بلکہ اسلام کے اصولی مقاصد و اغراض اور بنیادی روح کی یافت، اور پھر اس کی تعبیر میں اس کا مقام کتنا بلند تھا[1] (دیکھو کتاب عصر المامون عربی)

عباسی خلفاء کے تبلیغی جذبہ ہی کا نتیجہ یہ تھا، کہ مامون الرشید اپنے دربار میں دوسرے ادیان و مذاہب کے پیشواؤں کو بلا کر علمائے اسلام سے تحقیق حق کے لئے مباحثہ اور مناظرے کی مجلسیں منعقد کیا کرتا تھا، اسی سلسلہ میں فرقہ مانویہ کے پیشوا یزدان بخت کا قصہ مشہور ہے، کہ آزادی کے ساتھ بحث و مباحثہ

[1] تبلیغی مکتوب مستحق ہے، کہ عربی سے اردو میں اس کا ترجمہ کر دیا جائے کئی مولویوں سے کہا لیکن متوجہ نہ ہوئے، خدا نے فرصت دی تو انشاء اللہ تعالیٰ خاکسار ہی اس کام کو انجام دیگا (انشاء اللہ)

کرنے کے بعد یزدان بخت خاموش ہو گیا، تب مامون نے کہا کہ

"یزدان بخت دیکھ اب اسلام کے قبول کرنے میں تیرے لئے کیا عذر باقی رہا"

یزدان بخت جس کا چہرہ شکست کی ذلت کی وجہ سے زرد تھا، اس نے مامون سے کہا:-

"امیرالمومنین! آپ کی بات میں نے سن لی، لیکن اسی کے ساتھ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ ان لوگوں میں نہیں ہیں جو دین کے معاملہ میں جبر سے کام لیتے ہوں"

بات اسی پر ختم ہو گئی، مامون نے یہ سن کر یزدان بخت کو کچھ نہیں کہا، بلکہ حکم دیا کہ وطن تک فوجی نگرانی میں اس کے پہنچانے کا نظم کر دیا جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کسی متعصب آدمی سے بیچارے کو کوئی نقصان پہونچ جائے[1]

بہرحال بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے اسلامی حکمرانوں نے مختلف ممالک و امصار اور مختلف زمانوں میں دوسروں تک اسلامی پیغام کے پہونچانے میں جو کوششیں کی ہیں، کوئی چاہے تو صرف ان کوششوں کی داستان پر ایک ضخیم کتاب تیار کر سکتا ہے، ہارون و مامون وغیرہ تو پھر بھی عہدِ قدیم کے حکمران ہیں اور خلافتِ راشدہ سے ان کا زمانہ زیادہ دور نہیں ہوا تھا، لیکن خیال تو کیجئے اسی ہندوستان میں اس وقت جب مغل حکومت کا چراغ بجھنے کے لئے جھلملا رہا تھا، لیکن اس زمانہ میں بھی بانیِ سلطنتِ آصفیہ حضرت آصف جاہ اول تغمدہ اللہ بغفرانہ کے متعلق، ان کے دربار کے ثقہ عالم مولانا غلام علی یہ روایت

[1] دیکھو کتاب الفہرست لابن ندیم ص ۳۳۸، مامون عموماً اس قسم کے مسلمانوں کے متعلق جو محض دنیا کے لالچ میں مسلمان ہو گئے ہیں، شدید نفرت کا اظہار کیا کرتا تھا، کہتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین کا جو حال تھا مجھے تو کچھ اسی قسم کا حال ان لوگوں کا بھی معلوم ہوتا ہے، پھر جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے معاملہ کو خدا کے سپرد کر دیا تھا، میں بھی دنیا کے لالچ سے مسلمان ہونے والوں کے معاملہ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں، (رسالہ عبد اللہ بن اسماعیل الہاشمی الی عبد المسیح بن اسحاق الکندی (ص ۱-۳۷)

سُناتے ہین کہ جب کوئی نیا آدمی اسلام مین داخل ہوتا تو آصف جاہ کا حکم تھا کہ بیعت اسلام کے لئے خود اُن کی حضوری مین پیش کیا جائے، حضرت آصف جاہ براہ راست اپنے دست حق پرست پر اس کی بیعت لیتے اور کلمہ تلقین فرماتے، پھر خود ہی اس کا نام بھی تجویز فرما دیتے، (دیکھو سرو آزاد ص ۱۶۵)

اور یہ قصہ تو پھر بھی سترہوین صدی عیسوی کا ہے، انیسوین اور بیسوین صدی مین یورپ کی مذہبی تاریخ نے اس ملک مین حقارت و اہانت کے جس مقام تک مذہب اور اس کے ذکر کو پہنچا دیا ہے، [illegible] نہین بلکہ واقعہ ہے کہ کسی مہذب سوسائٹی کے غیر مہذب بلکہ کسی شایستہ انسان کے غیر شایستہ بن جانے یا بتا دیئے جانے کے لئے یہ کافی ہے، کہ اس سوسائٹی مین مذہب یا دین کا ذکر کسی حیثیت سے آگیا ہے، مگر اسی بیسوین صدی کے اسلامی حکمران کے جذبۂ تبلیغ اور دعوتِ دین کے ذوق کو ملاحظہ فرمایئے، امیر شکیب ارسلان نے منیف پاشا کا ذکر ان الفاظ مین کرنے کے بعد کہ سلطان عبدالحمید کے زمانہ مین سلطنت ترکی کے ناظم معارف (یعنی ناظم تعلیمات) تھے، خود اپنا تاثر منیف پاشا کے متعلق امیر کا یہ تھا کہ گو بظاہر دین سے زیادہ لگاؤ نہین رکھتے تھے، مگر آدمی بڑے سچے تھے، یون ہی بے بنیاد سُنی سُنائی روایتون کے نقل کرنے کے عادی نہ تھے، بہرحال اُن کے کردار اور راست بازی کی تعریف کرنے کے بعد امیر نے لکھا ہے، کہ منیف پاشا نے براہ راست مجھ سے یہ روایت نقل کی، کہ سلطان عبدالحمید خان مرحوم کے زمانہ مین جاپان کا ایک امیر جاپانی حکومت کی طرف سے ترکی آیا تھا، سلطان عبدالحمید خان مرحوم سے اس جاپانی امیر کی جب ملاقات ہوئی تو گفتگو کے سلسلہ مین سلطان نے جاپانی امیر سے دریافت کیا، کہ

"مجھے معلوم ہوا ہے، کہ آج کل جاپان کے لوگ کسی مذہب کی جستجو مین سرگردان ہین،

پھر سلطان نے اس کے بعد فرمایا کہ

اگر یہ واقعہ ہے تو مین آپ لوگون کو دین اسلام کے قبول کرنے کی دعوت دیتا ہون"

جاپانی امیر نے اس کے جواب مین کہا کہ

"جلالتمآب کو جو خبر پہونچائی گئی ہے، وہ صحیح نہین ہے، بلکہ ہم لوگ اپنے قدیم دین ہی پر قائم ہین اور اسی کے ساتھ وابستہ رہنا چاہتے ہین" (حاشیہ حاضر العالم الاسلامی ص ۱۴۶)

روایات اسی پر ختم نہین ہو جاتی ہے، لوتھرا سٹوڈرڈ جو The new World of Islam کے مصنف ہین، عربی مین اسی کا ترجمہ "حاضر العالم الاسلامی" کے نام سے شائع ہوا ہے، اسی کتاب مین یہ بھی لکھا ہے کہ

"سلطان عبدالحمید نے ایک تبلیغی وفد حکومت کے جنگی جہاز پر جاپان روانہ بھی کیا تھا"

یہ خبر بھی اسی کتاب مین درج ہے کہ مسلمانون کا یہ تبلیغی وفد جب جاپان پہنچا تو حکومت جاپان کی طرف سے اس کو خوش آمدید کہا گیا، اور ارکانِ وفد کی ملک کے اکثر حصون مین بڑی آؤ بھگت ہوئی، اگرچہ اسلام کے پیغام کو جاپانی حکومت نے قبول نہین کیا، (حاضر العالم الاسلامی ج ۱ ص ۱۴۷)

بہرحال خلفاے راشدین کے بعد بھی یہ دعوی کسی حیثیت سے صحیح نہین ہوسکتا کہ بحیثیت ایک مسلمان کے ہونے کے اسلامی سلاطین اور فرمانرواؤن پر دین کی تبلیغ و دعوت کا جو فرض عائد ہوتا تھا، اس فرض کے احساس سے ہر زمانہ مین ہر ایک خالی تھا، مذکورۂ بالا چند مثالین، جو اسلام کے ابتدائی زمانہ سے بیسوین صدی عیسوی تک کے نمونون پر مشتمل ہین، غالبًا اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے کافی ہوسکتی ہین،

مگر جیسا کہ مین نے عرض کیا یہ صرف چند سرسری نمونے ہین، جو آپ کے سامنے پیش کئے گئے ہین، ورنہ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث اگر کوئی کرنا چاہے تو بلا مبالغہ ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب ہی اسلامی سلاطین کی تبلیغی جدوجہد پر تیار ہوسکتی ہے[1]،

---

[1] تھوڑا بہت مواد اس سلسلہ مین آپ کو آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام مین بھی مل سکتا ہے، خصوصًا صلاح الدین ایوبی، فیروز تغلق وغیرہ سلاطین کی تبلیغی دلچسپیون کی تاریخی شہادتین جو اس نے پیش کی ہین لیکن مطالعہ سے چاہا جائے تو ایک کافی ضخیم کتاب اس سلسلہ مین لکھی جاسکتی ہے،

اور سچ تو یہ ہے کہ اصطلاحاً تبلیغ دعوت کے الفاظ سے جو کچھ سمجھا جاتا ہے یعنی تقریری یا تحریری شکلوں میں غیر مسلم اقوام کے آگے دین کو پیش کرنا، یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ کلیتہً اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، مگر اس کے ساتھ کم از کم میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ قلم اور زبان کی تبلیغ سے زیادہ اور بہت زیادہ ہمیشہ ثابت ہوا ہے کہ موثر ترین ذریعہ دین کی دعوت کا عمل ہے،

اسلام کے قبول کرنے میں بھی اور مسلمانوں سے نفرت و عداوت کے بڑھانے میں بھی زیادہ تر دخل مسلمانوں کے طرز عمل ہی کو رہا ہے، جس زمانہ میں اور جس علاقے میں صحیح اسلامی زندگی کی پابندی مسلمانوں نے کی ہے، تو میں اُن کے عملی نمونوں کو دیکھ بھال کر خود اُن کی طرف مائل ہوئی ہیں، اور اسلامی تعلیمات سے مسلمان جس حد تک بے تعلق ہوئے ہیں، میں پاتا ہوں کہ قوموں کے قلوب بھی اُن سے ٹوٹتے چلے گئے ہیں، بلکہ اسی قسم کے مسلمانوں کی غیر اسلامی زندگی نے خود اسلام سے لوگوں کو بااوقات دور کر دیا ہے، ہم خوبصورت تعبیروں، یا تقریری خوش نوائیوں، انشائی دلآویزیوں سے عملی زندگی کے اس نظام کو بنی آدم پر مسلط کرنا آسان نہیں ہے، جس کی بنیاد چند ٹھوس غیر فانی صداقتوں کے یقین پر قائم ہے جن لوگوں کا عمل ان کے علمی نظریات کا مسلسل مضحکہ اڑا رہا ہو آپ خیال کر سکتے ہیں، کہ ان ہی نظریات یا معلومات و عقائد کے یقین کو دوسروں تک منتقل کرنے میں وہ کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں، عمل کی حیثیت ظاہر ہے کہ اس باطنی اعتماد اور بھروسے کی دلیل کی ہے، جس کا دعوی اپنے دینی نظریات و مسلمات کے متعلق آپ کرتے ہیں، پھر اپنے دعوے کی دلیلوں کی جو دلیل خود تردید کر رہا ہو، فیصلہ کرنے والے اس دلیل کے دعوٰن کے متعلق جو فیصلہ کریں گے، وہ ظاہر ہے،

اور جیسے عام مسلمانوں کے متعلق قوموں کی محبت و عداوت کا مذکورۂ بالا تجربہ مسلسل ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے، بجنسہٖ اسی تجربہ کا مشاہدہ مسلمانوں کی حکومتوں اور اُن کے حکمرانوں کے متعلق بھی گذشتہ تیرہ ساڑھے تیرہ صدیوں میں کیا گیا ہے،

یہ سوچنے کی بات ہو کہ بیت المقدس پہونچنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق عام تاریخوں میں اس واقعہ کا جو ذکر کیا گیا ہو کہ کنیسۃ القمامۃ میں نماز کا وقت آگیا بطریق سے آپ نے فرمایا کہ نماز پڑھنے کی کوئی جگہ بتاؤ، بطریق یعنی گرجا کا پادری جس کا نام صفرونیوس تھا، اس نے گرجے کے اندر کسی جگہ کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا کہ آپ یہاں نماز پڑھ سکتے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ

"آج یہاں میں نے نماز اگر پڑھ لی تو کل اس کا خطرہ ہے کہ مسلمان اسی کو دلیل بنا کر عمرؓ نے یہاں نماز پڑھی ہے، تمہارے گرجے پر دعوی نہ کر بیٹھیں"

یہ فرما کر گرجے سے باہر ہو کر آپ نے نماز ادا کی، کیا عیسائیوں کے دل میں اسلامی عدل و انصاف کا وزن اس واقعہ سے پیدا ہو سکتا تھا، یا اس سے کہ زبردستی حضرت عمرؓ اس گرجے میں نماز پڑھنے پر اصرار فرماتے، اسی سفر میں کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے جابیہ نامی مقام میں فروکش تھے، اتنے میں ایک عیسائی یا یہودی دوڑتا ہوا آیا، اور آکر اس نے عرض کیا کہ دیکھئے آپ کی فوج کے سپاہی میرے تاکستان پر ٹوٹے پڑتے ہیں، اور توڑ توڑ کر انگور کھا رہے ہیں، سننے کے ساتھ ہی حضرت عمرؓ آپے سے باہر ہو گئے، خیمہ سے نکل پڑے، سامنے ایک سپاہی کو دیکھا کہ انگور کے خوشے اپنی ڈھال میں ڈالے چلا جا رہا ہے، پکار کر آپ نے روکا اور فرمایا کہ

"کیا تم نے بھی یہی کیا؟"

سپاہی نے جواب میں کہا کہ ہم لوگوں پر بھوک کا غلبہ ہوا، کھانے کی کوئی چیز فوراً ملی نہیں، سامنے انگور کا کھیت تھا، اسی سے ہم نے خوشے توڑ لئے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت ایک آدمی کو اس عیسائی کے ساتھ کر دیا اور حکم دیا کہ اس کے نقصان کا صحیح اندازہ کر کے مجھے خبر دو، تخمینہ تاوان کا لگایا، لکھا ہے کہ

وامر لصاحب الکرم بقیمتہ — حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ انگور کی قیمت تاکستان

عنبہ (کنز العمال بحوالہ ابو عبید ج ص ۹۹۹) کے مالک کو ادا کر دیجائے،

اور یہ تو ایک شخصی تاکستان کا قصہ ہے کون واقف نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ مین غیر مسلم اقوام کی زمینون پر جو لگان عائد کیا گیا تھا، اس مین کتنی رعایت اُن کے ساتھ کی گئی تھی، قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج مین یہ روایت نقل کی ہے کہ عراق کے سواد (یعنی دجلہ و فرات اور ان سے نکالی ہوئی نہرون سے جو زمین سیراب ہوتی تھی) اس زمین کی پیمایش کے بعد جب حضرت عمرؓ کے نمایندون نے اس لگان یعنی خراج کی رپورٹ آپ کے سامنے پیش کی تو آپ نے فرمایا کہ

"کاشتکارون پر تم لوگون نے اتنا بوجھ تو نہین لاد دیا ہے جسے وہ اٹھا نہ سکتے ہون"

یہ دو نمایندے تھے اور سواد کے مختلف حصون کی پیمایش کر کے مختلف زرعی پیداوارون کے لحاظ سے لگان لگایا تھا، دونون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، ان مین سے ایک صاحب یعنی حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

لقد ترکت فضلاً — مین نے کاشتکارون کے حصہ مین زیادہ چھوڑ دیا ہے

اور دوسرے صاحب جن کا نام عثمانؓ بن حنیف تھا، قاضی ابو یوسف نے جن کے متعلق لکھا ہے کہ جیسے ریشم کا تھان ناپا جاتا ہے، زمین کی پیمایش اسی احتیاط سے انھون نے کی تھی، اور اس فن کے وہ ماہر تھے، بہرحال عثمان بن حنیفؓ نے کہا

لقد ترکت الضعف[1] — مین نے جتنا لگان لگایا ہے اس کا دونا کاشتکارون کے لئے چھوڑ دیا ہے،

(کتاب الخراج ص ۳۷)

---

[1] عثمان بن حنیف کا یہ بیان اگر صحیح ہے اور ان کا بیان اگر صحیح نہ ہوگا تو کس کا ہوگا، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونون خلفا کے زمانہ مین حکومت کے ذمہ دارانہ خدمات آپ کے سپرد رہے ہین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ہین، بہرحال آپ کے اس بیان کا مطلب یہی ہوا کہ پیداوار کا دو تہائی حصہ کاشتکارون کو دے دیا گیا تھا، ا

مگر پھر بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو اطمینان نہ ہوا، اور حکم دیا کہ ہر علاقہ کے دہقان (یعنی تاوان دہندہ کھیت) کو میرے پاس ترجمان کے ساتھ روانہ کیا جائے، یہی کیا گیا، آپ نے دونون سے اسی لگان کے مسئلہ پر پوچھ گچھ کی، مطلب یہ تھا کہ بیچارون پر برداشت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے،

اور یہ طرز عمل تو اس طبقہ کے ساتھ اختیار کیا گیا تھا جو حکومت کے وفادار اور معاہدہ کے دفعات کے پابند تھے، لیکن جن لوگون نے معاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی کی، اور خطرہ پیدا ہوا، کو دشمنون کو ان سے مدد ملے گی، بلکہ مختلف نازک موقعون پر مسلمانون کی دشمن حکومت یعنی رومیون کی شام کے بعض علاقون مین ان لوگون نے مدد بھی کی، یہ عربسوس نامی خطے کے باشندے تھے، مگر جانتے ہو غدر و بغاوت کے اس جرم کی پاداش مین ان لوگون کو اسلامی حدود سے باہر نکل جانے کا حکم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے جب دیا گیا، تو انکے سا

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۰) ایک تہائی حصہ حکومت کے لئے لیا گیا، ایک طرف اس واقعہ کو رکھئے اور اسی ارض سواد جو ایرانیون سے منتقل ہو کر مسلمانون کے قبضہ مین آگئی تھی اسی کے متعلق شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس توجیہ کو بھی پیش نظر رکھئے، وہ فرماتے ہین اُن کی عربی عبارت کا ترجمہ اثنائہ اختصار سے کر رہا ہون :-

"میرے نزدیک حضرت عمرؓ کے اس عمل کی توجیہ (یعنی بعض صحابیون نے خیال ظاہر کیا تھا) کہ عراق کے اس زرعی علاقہ کو جاگیر بنا کر ان لوگون کے حوالہ کر دیا جائے جنھون نے اس علاقہ کو فتح کیا ہے، مگر حضرت عمرؓ اور آپ کے ساتھ حضرت عثمانؓ و علیؓ و طلحہؓ نیز انصار کے بھی سربرآوردہ حضرات تھے، ان سب کی رائے یہ تھی کہ ان مفتوحہ علاقون کو قومی ملک بنا کر خالصہ کر لیا جائے یعنی حکومت ان پر قبضہ کر لے، اور انفرادی جاگیرون کی شکل مین ان کو تقسیم نہ کیا جائے، بہرحال شاہ صاحب حضرت عمرؓ کے فعل کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہین کہ ایران اور روم کے لوگون نے زمین کے حقیقی مالکون پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا اور اُن سے وہ لگان وصول کیا کرتے تھے، حالانکہ یہ جاگیردار نہ زمین کے مالک تھے، نہ اسکی کاشت کرتے تھے، اور نہ اپنے آباؤ اجداد کو وراثت مین یہ زمین اُن کو ملی تھی، مسلمانون نے ان پر زبردستی غاصبانہ قبضہ کرنے والے جاگیردارون سے جنگ کی اور شام و عراق کی زرعی زمینون سے اُن کو مار بھگایا، اب زمین تھی اور زمین کے حقیقی مالک یعنی

ان سے کیا کہا گیا تھا؟ البلاذری نے نقل کیا ہے کہ

"ہر چیز جسے وہ چھوڑ کر جائیں گے اس کا دونا ہرجانہ اُن کو دیا جائے گا، مثلاً ایک بکری کے معاوضہ میں دو بکریاں، ایک گائے کے بدلہ میں دو گائیں، الغرض ہر ایک چیز کے مقابلہ میں دو چیزیں اُن کو اسلامی حکومت عطا کرے گی (ص ۱۶۳)

کیا یہ یا اسی قسم کے بیسیوں واقعات جن کا تماشا خلافتِ راشدہ کے عہد میں ہر طرف پیش ہو رہا تھا، اُن کو دیکھ کر یہ سوال کوئی مشکل یا لاینحل سوال باقی رہ جاتا ہے، کہ دین اللہ میں "افواجاً" کی شکل میں لوگ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۰) کسانوں کی وہ جماعت رہ گئی تھی، جو اس میں زراعت کرتی تھی، اور اسی علاقہ میں قوطن پذیر تھی، انکے باپ دادا اُن سے یونہی وراثۃً یہ علاقہ منتقل ہوتا ہوا ان تک پہنچا تھا، جب مسلمانوں نے روم و ایران کے زبردستی قبضہ کرنے والے جاگیرداروں کو مار بھگایا، تو ان کسانوں کی اکثریت نے مسلمانوں سے صلح کر لی، اور لگان یعنی خراج ادا کرنے پر راضی ہو گئے، لیکن ان کسانوں میں کچھ لوگ روم و ایران کا ساتھ دے کر مسلمانوں سے لڑے بھی تھے، در اصل اسی چیز نے ان زرعی علاقوں کے مسئلہ میں اشتباہ پیدا کر دیا، عام نے تو یہ سمجھا کہ بزور شمشیر ان زمینوں کو ہم نے فتح کیا ہے، لیکن خواص صحابہ جانتے تھے، کہ جنگ ان کسانوں (علوج) سے نہ تھی، بلکہ ان جاگیرداروں سے تھی جنھوں نے زبردستی ان زمینوں پر قبضہ کر رکھا تھا، ورنہ زمین کے جو واقعی مالک اور کاشتکار تھے، اُن کی اکثریت نے تو مسلمانوں کی حکومت سے صلح کر لی تھی، اس لئے اس کا حکم فئی کا ہوا، (ص ۱۲۹، ازالۃ الخفا جلد ۲)

اگرچہ شاہ صاحب نے فئی وغیرہ کی قانونی بحث کی ہے، میری غرض اس عبارت کے پیش کرنے سے یہ تھی کہ عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رپورٹ یعنی ایک تہائی لگان [illegible] لی گئی ہے، اور شاہ صاحب کا یہ خیال کہ رومی و ایرانی جاگیرداروں کو مار بھگا کر زمین کے اصل کاشتکاروں اور مالکوں کے حوالہ مسلمانوں نے ان زمینوں کو کر دیا، ان دونوں باتوں سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ آج غریب کسانوں کے جن حقوق کا ماتم کیا جا رہا ہے، ان حقوق کو عملاً اسلام تیرہ صدی پہلے کسانوں تک پہنچا چکا تھا، میں تو نہیں جانتا کہ لگان کے مسئلہ میں اتنی فیاضی کسانوں کے ساتھ کسی زمانہ میں بھی کی گئی ہو، اشتراکی حکومتوں کے متعلق اگرچہ دعویٰ یہی کیا جاتا ہے کہ کسانوں و مزدوروں کے فلاح و بہبود کے لئے قائم ہوتی ہیں لیکن کسانوں کی ساری کمائی پر قوم کے نام سے حکومت کے وہ نمایندے قبضہ کر لیتے ہیں جن کے ہاتھ میں حکومت ہوتی ہے اور غریب کسانوں کو یتیم خانوں کے یتیموں کی طرح صرف کھانا کپڑا اور لابدی ضروریات پر قناعت کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔

جو داخل ہوتے چلے جا رہے تھے اس کا سبب کیا تھا؟ انسانی فطرت بہرحال انسانی فطرت ہے، اس میں قدرۃً حق و باطل کے امتیاز کی صلاحیت پائی جاتی ہے، مگر حق کو واقعۂ حق کی شکل میں پیش بھی تو کیا جائے تقریروں اور تحریروں میں تو صرف بڑے بڑے دعوے پیش ہوتے ہیں، مگر آدمی تو دلائل کا رسیا ہے دعویٰ نرا خشک دعوے، ان پر چڑھانے والے جس قسم کے حسین و دلکش الفاظ کے خول چڑھا رہے ہوں، سننے کی حد تک تو لوگ سن لیتے ہیں، بلکہ خول چڑھانے کی مہارت کی تعریف بھی ممکن ہے، تھوڑی دیر کے لئے کر دیں، لیکن جو کچھ کہا گیا وہ کیا بھی جاتا ہے یا نہیں، شعوری و غیر شعوری طور پر حقیقی فیصلہ صرف اسی سوال کے جواب کے ساتھ وابستہ رہتا ہے، دوسرا گال بھی اس کے آگے پیش کر دو، جس نے تمھارے ایک گال پر تھپڑ مارا، اور جو تم سے کرتا چھینتا ہو، دھوتی بھی اس کے حوالہ کر دو، بے گاری میں ایک میل چلنے پر تمھیں اگر کوئی مجبور کرے، تو بجائے ایک میل کے دو میل چل کر اس کے سامان کو پہنچا دو،

عدم تشدد یا اہنسا کے ان انجیلی اصولوں کا لوگ جب ذکر کرتے ہیں، تو کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کی موجودہ جہنمی زندگی اچانک نظر آتی ہے، کہ بہشتی زندگی کے قالب میں ڈھل گئی، لیکن ان ہی انجیلی اصولوں کے منادی کرنے والوں کو ان اصولوں کے سننے والے جب دیکھتے ہیں، کہ مارنا تو خیر دور کی بات ہے، کسی کے گال پر تھپڑ کا خیال بھی جن کے دلوں میں نہ تھا، ان کی گردنیں کندھوں سے اتار رہے ہیں، جنھوں نے کسی کے کپڑے کے دھاگے کو بھی بدنیتی سے نہیں دیکھا تھا، بلکہ اپنے کپڑے مصیبت کے دنوں میں جن لوگوں کو اتار اتار کر پہنائے تھے، ان ہی محسنوں سے کپڑے ہی نہیں چھین رہے ہیں، بلکہ بچوں کو ان کی گودیوں سے اتار اتار کر ذبح کر رہے ہیں،

سوچا جا سکتا ہے کہ انجیلی اصولوں کے واعظوں کے عمل اور فعل کا جب یہ حال ہو تو سہانے الفاظ کے خالی ڈھول کی یہ آوازدلوں کو کب تک متاثر رکھ سکتی ہے،

مگر اسی کے مقابلہ میں سنئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا مشہور واقعہ ہے، اسلامی

حکومت کی طرف سے تجارتی محصول (کرور گیری یا چنگی) کے وصول کرنے کی سرحدی علاقوں پر جب تنظیم ہوئی، فرات کی آبی راہ پر بھی چوکی قائم ہوئی، دریا پر ایک رسہ پھینک دیا جاتا تھا، تجارتی کشتیاں اسی رسہ سے آکر اٹک جاتی تھیں اور محصول وصول کرنے والے تجارتی سامان کا تخمینہ کرکے محصول وصول کرتے تھے، شروع زمانہ میں یہ صورت پیش آئی، کہ ایک عیسائی سوداگر اسی راہ سے اپنا تجارتی مال لے کر گذر رہا تھا، زیاد بن حدیر جو اس چوکی کے امین تھے، انھوں نے محصول وصول کر لیا، کچھ دن بعد پھر عیسائی تاجر کاروبار سے فارغ ہوکر اسی راہ سے واپس ہو رہا تھا، زیاد بن حدیر امین کرور گیری نے اس کے مال کا پھر جائزہ لینا چاہا، عیسائی سوداگر نے کہا کہ ایک دفعہ مین محصول ادا کر چکا ہون، کیا مجھ ہی سے دوبارہ تم محصول وصول کروگے، چونکہ ابتدائی زمانہ تھا، سابقہ حکومت کے رواج کی بنیاد پر یا اپنے اجتہاد سے زیاد نے فیصلہ کیا کہ ہان! پھر تمھین محصول ادا کرنا پڑے گا،

عیسائی سوداگر اور زیاد مین بات بڑھی، اس نے سامان کو اپنے آدمیون کے سپرد کرکے زیاد سے کہا کہ مین خود امیر المومنین یعنی حضرت عمرؓ کے پاس جاتا ہون، اس زمانے مین حضرت عمرؓ مکہ آئے ہوئے تھے، عیسائی سوداگر مکہ پہنچا، حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہوکر یہ کہتے ہوئے کہ مین ایک عیسائی سوداگر ہون اپنا قصہ اس نے سنایا، حضرت عمرؓ نے اس کی روداد سن کر صرف ایک عربی لفظ یعنی "کفیت" فرمایا، جس کا مطلب یہی تھا کہ تیرا کام پورا کر دیا جائے گا، لیکن عیسائی سوداگر اس مختصر لفظ سے مطمئن نہ ہوا، خود اسی کا بیان ہے کہ مین مکہ سے مایوس واپس لوٹ رہا تھا، دل مین طے کر چکا تھا، کہ زیاد کے مطالبہ کی تکمیل کر دون گا، مگر وہی کہتا ہے کہ جب مین فرات کی اس چوکی پر پہنچا، تو اس خبر نے مجھے حیرت مین ڈال دیا، کہ

کتاب عمر قد سبق الیه — زیاد بن حدیر (امین چوکی) کے پاس حضرت عمرؓ کا فرمان اس کے پہنچنے سے پہلے وصول ہو چکا تھا

اس فرمان مین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیاد کو یہ حکم دیا تھا، کہ جب ایک دفعہ اس کے تجارتی

مال سے تم محصول وصول کر چکے تو دوبارہ پھر اسی مال سے وصولی کا حق تم کو نہیں ہے، عیسائی سوداگر کا بیان ہے، اس خبر نے مجھے بے چین کر دیا، اور اسی وقت زیاد کو خطاب کرکے اس نے اعلان کیا،

انی اشهد الله انی بری من النصرانیة — مین خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہون کہ عیسائی مذہب سے

وانی علی دین الرجل الذی کتب الیک — مین کنارہ کش ہوتا ہون اور اب اس شخص کے دین

هذا الکتاب[1] (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۳۶) — پر ہون جس نے تمھارے نام یہ مراسلہ بھیجا ہوا

ایک معمولی عیسائی سوداگر کی چنگی کے محصول کے ساتھ اس عہد مین روے زمین کی جو سب سے بڑی حکمران طاقت تھی، یعنی حضرت عمرؓ کا متوجہ ہونا اور مالی نقصان سے اس بڈھے عیسائی کو بچا لینے کے لئے اتنی مستعدی کرنا، کہ فرمان اس کے پہونچنے سے پہلے امین کرور گیری کے ہاتھ مین پہونچ چکا تھا، درحقیقت یہ واقعہ اپنی خصوصیتون کے لحاظ سے تھا، ہی اتنا دل دوز کہ جو نتیجہ اس کا ہوا اس کے سوا کسی دوسرے نتیجہ کی بھلا ایسی صورت مین توقع ہی کیا ہو سکتی ہے ؟ خصوصاً اس زمانہ مین تاجرون کے ساتھ یہ معاملہ جو زیاد نے اختیار کرنا چاہا تھا، حکومتون کا عام دستور تھا،

اور یہی مین کہنا چاہتا ہون کہ بولنے کی حد تک تو حضرت عمرؓ کی زبانِ مبارک سے صرف "کفیت" کا ایک ہی لفظ نکلا، لیکن قول جس کا اتنا مختصر تھا، آپ دیکھ رہے ہین، اس کے فعل اور عمل کی وسعت دامانیون کو کہ عرب کے عراق تک یا مکہ سے ساحلِ فرات تک زلزلہ برپا ہو گیا، اور یہی حکومت کا مطلب اور اس کا صحیح

---

[1] قاضی ابو یوسف ہی نے اسی عیسائی سوداگر کے متعلق یہ قصہ بھی نقل کیا ہے، کہ کچھ دن بعد حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہوا، اور اپنا تعارف کراتے ہوئے اس نے کہا کہ مین وہی بڈھا عیسائی ہون جس نے آپ کے امین کرور گیری زیاد کے متعلق رپورٹ کی تھی، حضرت عمرؓ نے جواب مین فرمایا کہ مین بھی تو وہی بڈھا حنیفی (الشیخ الحنیفی) ہون جس نے تیری ضرورت پوری کی تھی، ص ۱۳۶، الحنیفی سے مطلب حضرت عمرؓ کا وہی تھا، کہ ابراہیم حنیف کی ملت کا پیرو ہون جس کی پیروی کا قرآن مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے ۱۲

نصب العین ہے، کہ اکثریت ہو یا اقلیت، دین و مذہب، مسلک و مشرب کسی کا کچھ بھی ہو لیکن حکومت کے دائرۂ حفاظت مین جو آچکے ہون اُن کو مطمئن کر دیا جائے کہ اُن کا ہر حق خواہ معمولی ہو یا غیر معمولی، اجتماعی ہو یا انفرادی بالکلیہ محفوظ ہے، یہ اس دجالی عہد کا نیا نظریہ ہے، کہ حکومت صرف ان لوگون کے حقوق کی ذمہ دار ہے، جو کسی نہ کسی وجہ سے یہ ثابت کرنے مین کامیاب ہو جائین، کہ ملک مین ان ہی کو عددی برتری حاصل ہے، جس جماعت کے افراد کی تعداد پچاس ہے، ان کی قطعاً پروا اس جماعت کے مقابلہ مین نہین کیجائے گی، جس نے گنوانے کے وقت مردم شماری کے کارندون سے یہ لکھوا لینے مین کامیابی حاصل کی ہو، کہ بجائے پچاس کے اکیاون منڈیون پر یہ جماعت مشتمل ہے، ممکن ہے کہ کہنے کی حد تک یہ نہ کہا جاتا ہو، لیکن یقیناً یہی کیا جا رہا ہے، اور اسی کا قرون وسطی کی ظالمانہ حکومتون کے مقابلہ مین جمہوری حکومت نام رکھ دیا گیا ہے، کانون کو یہ سُنا سُنا کر بہرا بنا دیا گیا ہے کہ انسانی حقوق کی کلی ضمانت کا جو راز حکومت کے اس جدید انوکھے طرز سے بنی آدم پر منکشف ہوا ہے، اس کی نظیر تاریخ کے کسی دور مین نہین ملتی، مالکم کیف تحکمون،

خیر مین کیا کہنے لگا، عرض یہ کر رہا تھا کہ اسلامی حکمرانون نے قول سے زیادہ اسلام کی اشاعت مین اپنے عمل سے کام لیا ہے، اور یہ واقعہ ہے، کہ عمل کے کمانون سے نکل نکل کر جو تیر قلوب مین اتر رہے تھے، کیا ان سیدھے تیرون کے نشانون کو کوئی خطا کر سکتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے زمانہ مین ذرا غور تو کیجئے، حمص مین وہ صورت جو پیش آئی، یعنی ہرقل اپنی آخری فوجی قوت کو فراہم کر کے شام کو مسلمانون سے چھیننے کے لئے جب یلغار کرتا ہوا مسلمانون کی فوج کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا، تو مسلمانون نے یہ محسوس کر کے کہ ہرقل کے اس فوجی حملہ کی مدافعت مین ہم لوگ جس وقت مشغول ہون گے، حمص کے شہر اور اس کے باشندون کی حفاظت کی ذمہ داری جیسی کہ چاہئے ہم سے ممکن نہ ہو سکے گی، مشہور واقعہ ہے کہ حمص کے غیر مسلم باشندون سے ان کی حفاظت کے مصارف کے لئے خراج کی رقم جو وصول ہو چکی تھی، یہ کہتے ہوئے یہ پوری رقم واپس کر دی گئی کہ

قد شغلنا عن نصرتکم والدفع عنکم (البلاذری ص ۱۴۴)	تم لوگون کی امداد اور تمھاری طرف سے مدافعت کا موقع ہمارے لئے باقی نہ رہا،

مؤرخین نے اس واقعہ کو نقل کر کے آگے یہ لکھا ہے کہ حمص کے یہودی اور عیسائی مسلمانون کے اس عجیب و غریب طرز عمل کو دیکھ کر کہنے لگے، کہ

"آپ لوگون کی حکومت آپ کا عدل و انصاف ہمین رومی حکومت کے ظلم و ستم سے زیادہ محبوب ہے، آپ کے عامل (حاکم شہر حمص) کے ساتھ مل کر ہم رومیون کا مقابلہ کرین گے،

یہ تو عیسائیون نے کہا حالانکہ رومی حکومت خود عیسائی حکومت تھی، اسی طرح حمص کے یہودیون نے جمع ہو کر اعلان کیا، کہ

"قسم ہے تورات کی کہ شہر مین ہرقل کا والی اور نمائندہ اس وقت تک داخل نہین ہو سکتا جب تک کہ ہم لڑ کر مغلوب اور درماندہ نہ ہو جائین، (البلاذری ص ۱۴۴)

مسلمانون کے ساتھ جو وعدہ عیسائیون اور یہودیون نے اس واقعہ کے بعد کیا تھا، وہ پورا کیا گیا، اور یرموک ندی کے ساحل پر ہرقل کی فوج کو آخری تاریخی شکست جب نصیب ہوئی، تو لکھا ہے کہ

"شام کے شہرون، اور قصبون کے یہودی اور نصرانی ڈھول بجاتے ہوئے باہر نکل آئے اور مسلمانون کے آگے کھیلتے کودتے اپنے اپنے شہرون مین ان کو لے گئے"،

یہی یرموک کی فوج جسے ہرقل نے عیسائیون کے مرتد بادشاہ جبلہ بن ایہم کی سرکردگی مین اس لئے روانہ کیا تھا، کہ عرب کے ان قبائل کی امداد بھی اس تدبیر سے میسر آسکتی ہے، جو رومیون کی اس باجگذار عربی حکومت یعنی غسانیون سے تعلق رکھتے تھے، اور اس مین شک نہین کہ جبلہ کی وجہ سے یرموک کی اس جنگ کو بہت اہمیت حاصل ہو گئی تھی، لیکن کون نہین جانتا کہ جبلہ جیسی مادی قوت کی اڈ

سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض اس لئے دست بردار ہو گئے تھے، کہ اتفاقاً جبلہ کے دوشالے کے کسی گوشہ پر ایک غریب بدو کا پاؤں اس وقت پڑ گیا تھا، جب جبلہ مسلمان ہو کر کعبہ کے طواف میں مشغول تھا، بادشاہی کے جاہلی خیال نے جبلہ کو بے اختیار کر دیا، اور غریب بدو کے منہ پر اس زور سے اس نے تھپڑ رسید کیا کہ اس کی ایک آنکھ بہ گئی، اس کی خبر حضرت عمرؓ کو ہوئی جبلہ کی طلبی کے بعد آپ نے فرمایا، کہ بدو کی آنکھ کے بدلے میں تمہاری آنکھ پھوڑی جائے گی، سننے کے ساتھ ہی غسانی حکومت کے فرمانروا جبلہ کے ہوش اڑ گئے، کہنے لگا

او عینہ مثل عینی (بلاذری ص ۱۴۲) کیا اس بدو کی آنکھ میری آنکھ کے برابر ہے،

اوس نے جواب کے لئے مہلت طلب کی اور اسی حیلہ سے شباشب اسلامی علاقہ سے بھاگ کر رومیوں کے علاقہ میں پہنچ گیا، اور اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی دین اوس نے قبول کر لیا، کہتے ہیں کہ جبلہ کے ساتھ عربی قبائل کے تیس ہزار سپاہی جو اس کی فوج کے ملازم تھے، رومیوں میں جا کر مل گئے، لیکن ایک بدوی کی آنکھ کا انصافاً جو حق تھا، اس حق کی حفاظت میں یہ سارے مادی نقصانات اسلامی حکومت نے برداشت کر لئے، اور بدو کی آنکھ تو پھر بھی آدمی کی آنکھ تھی، حضرت عمروؓ بن عاص صحابی جو مصر کے حاکم تھے، اُن کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مسلمان سپاہی نے مصر کے کسی غیر مسلم باشندے کے بُت کی آنکھ توڑ دی عمرو بن العاص کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، بیان کیا جاتا ہے، کہ بُت کی آنکھ کے توڑنے والے سپاہی کی آنکھ تو بھی توڑ سکتا ہے، قبطی کو عمرو بن عاصؓ کی طرف سے یہی فیصلہ سُنایا گیا، وہ سناٹے میں آ گیا، مسلمان سپاہی نے اس قبطی سے کہا کہ میری آنکھ توڑ کر تو کیا کرے گا، میں تیرے بت کی آنکھ کے معاوضہ میں جو رقم بھی منظور کرے، پیش کرنے کو تیار رہوں، آخر تاوان ہی پر راضی ہو گیا، اور مسلمان سپاہی کی آنکھ بچ گئی،[۱]

مصر جو ابتدائے اسلام میں تقریباً ایک عیسائی ملک تھا، لوگوں کو حیرت ہوتی ہے کہ وہاں کے عیسائی کیا ہوئے؟

[۱] دیکھو کتاب رحمۃ للعالمین ج ۲، ص ۔

کیونکہ بجز ایک اقلیتِ قلیلہ کے مصر کی ساری آبادی صدیوں سے مسلمان ہے،

لیکن غور نہیں کرتے کہ اسی مصر میں جہاں آئے دن اسلامی حکومت کی طرف سے عدل و انصاف کی مذکورہ بالا مثالیں پیش ہو رہی تھیں، ساتویں صدی عیسوی کا عیسائی مورخ یحییٰ نکیو جو مصری عیسائیوں کا بطریق تھا، اور مصر کی اس نے تاریخ بھی لکھی ہے، اسی کا بیان ہے کہ

"عمرو بن عاص نے گرجاؤں پر عیسائیوں کے قبضہ کو بحال رکھا، اور عیسائیوں کو دینی معاملات میں خود مختار بنا دیا، عمرو کی فوج نے کسی گرجے کے مال اور خزائن پر دست اندازی نہ کی، اور نہ لوٹ و غارتگری سے کام لیا" (ص ۵۸۴)[۱]

اسی کے مقابلہ میں اسی مصر کے ان ہی یعقوبی عیسائیوں یعنی قبطیوں پر قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ جسٹینین نے محض اس تصور میں کہ رومی کلیسا کو مصر کے قبطی عیسائی تسلیم نہیں کرتے تھے، یہ ظلم توڑا کہ آج بھی اس کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، وائس لی بن کی کتاب "مصر کی موجودہ حالت" میں یہ تاریخی شہادت درج ہے کہ

"جسٹینین (شاہ قسطنطنیہ) نے دو لاکھ قبطیوں کو اسکندریہ میں قتل کرایا، اور اس کے جانشینوں نے اتنے مظالم ان عیسائیوں پر توڑے کہ اکثر قبطیوں نے صحرائے اعظم میں جا کر پناہ لی" (کتاب مذکور ص ۱، مطبوعہ لندن ۱۹۱۶ء)[۲]

عیسائی حکومت کا خود عیسائیوں کے ساتھ تو یہ برتاؤ تھا، اسی کے مقابلہ میں مسلمان حکمرانوں کو انھوں نے جب دیکھا کہ پتھر کی مورتیوں کی آنکھوں کے بدلہ میں زندہ مسلمان کی آنکھ تک کے توڑنے پر آمادہ ہیں، تو اسلام کو اُن کے قلوب میں گھسنے سے سوچنا چاہئے کہ اب کونسی طاقت روک سکتی تھی، ساتویں

[۱] بحوالہ پریچنگ آف اسلام آرنلڈ ص ۱۰۱ آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام کے حاشیے میں یحییٰ مذکورہ بالا یادداشت نقل کی ہے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے کل پانچ سال پہلے جسٹینین قیصر روم کی وفات ہوئی تھی، (۲)

مدی عیسوی کے اسی بطریق یحییٰ نکیو کے حوالہ سے آرنلڈ نے نقل کیا ہے، کہ

"مسلمانون کی فتح مصر ابھی مکمل بھی نہ ہونے پائی تھی اسکندریہ ابھی مقابلہ پر تھا، کہ اکثر قبطیون نے اسلام قبول کر لیا،" (پریچنگ آف اسلام ص ۱۱۶)

عمرو بن عاص جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے، کہ سیاسی مصالح کا ان کے فیصلون مین کافی اثر نمایان تھا، جب اُن کا حال یہ بیان کیا جاتا ہے، تو اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ جن بزرگون نے دینی مصالح کے مقابلہ مین سیاسی مصالح کی کبھی پروا نہ کی، ان کا برتاؤ اسلامی قلمرو کے غیر مسلم باشندون کے ساتھ کیا ہو گا؟ مالگذاری وصول کرنے مین ایرانیون اور رومیون کے جو یہ طریقے تھے کہ لوگون کو باندھ کر دھوپ مین لٹا دیا جاتا تھا، اور اُن کے سر پر غالباً گرم تیل ڈالا جاتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر شام کے سفر مین وصول مالگذاری کے اس، رومی طریقہ پر جس وقت پڑی تو اسی وقت آپ نے حکم دیا، کہ

"لوگون کی برداشت سے زیادہ ان پر بار نہ ڈالا جائے، اور نہ مالگذاری کے وصول کرنے مین دکھ پہونچایا جائے"[1]

اسی طرح جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا زمانہ آیا، تو ایک صاحب جن کو آپ نے ایرانی علاقے کے کسی مقام کی طرف جس کا نام بندج سابور[2] تھا، مالگذاری کی تحصیل و وصول کے لئے روانہ کرنا چاہا جب وہ چلنے لگے تو مرتضیٰ علیہ السلام نے اُن کو وصیت شروع کی،

"دیکھو! ایک درم کے وصول کرنے مین بھی کسی کو تازیانے کی سزا نہ دینا، اور نہ ان روزمرہ کی خوراک کے ذخیرے کو نیلام کرنا، اسی طرح گرما اور سرما کے لباس کو بھی اُن کے ہاتھ نہ لگانا، اور جن مواشیون سے وہ کاشتکاری مین کام لیتے ہین، اُن کو بھی فروخت نہ کرنا، اور نہ تحصیل

---

[1] کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۲۵ [2] عراق کے ایک قدیم قصبہ کا یہ پرانا نام ہے کہتے ہین کہ بعد کو اسی آبادی کا نام عکبرا مشہور ہوا، بغداد سے تیس میل کے فاصلہ پر ہے،

و وصول کے وقت کسی کو کھڑے رہنے پر مجبور کرنا"

حضرت علیؓ کی ان ناصحانہ وصیتون کو سُن کر تحصیل دار نے کہا کہ

"امیر المومنین پھر تو جناب کی خدمت سے جس حال مین جا رہا ہون، اسی حال مین مجھے واپس ہونا پڑیگا"

حضرت نے تحصیل دار کی بات سُن کر فرمایا،

"ہان! جیسے گئے تھے، اسی حال مین واپس ہی کیون نہ آنا پڑے،

اس کے بعد اسی کو خطاب کر کے آپ فرمانے لگے،

تجھ پر افسوس ہے (دیکھ) ہمین اُن سے صرف العفو یعنی فضل (ضرورت سے جو بچ گیا ہو) اسی سے لینے کا حکم دیا گیا ہے" (ص ۵، کتاب الخراج لابی یوسف)

اوران بزرگون کے متعلق تو خیر اس قسم کی باتین چندان تعجب انگیز نہین ہین، مگر ان ہی کے مقابلہ مین امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال مین بھی ہم جب یہ پڑھتے ہین، کہ رومیون اور حضرت معاویہؓ کے درمیان یہ طے ہوا تھا، کہ سالانہ اتنی رقم ادا کیا کرین گے، رومیون نے اطمینان کے لئے اپنے یہان کی چند ممتاز ہستیون کو امیر معاویہؓ کے پاس بطور یرغمال کے رکھوا دیا تھا، کہ اگر مقررہ رقم رومی حکومت نہ ادا کرے، تو آپ ان لوگون کو قتل کر سکتے ہین، البلاذری نے نقل کیا ہے، کہ کچھ دن بعد رومیون نے عہد شکنی کی، معاہدے کے رو سے امیر معاویہؓ کو حق تھا کہ یرغمال والے رومیون کو قتل کر دین، مگر مسلمانون سے مشورہ کرنے کے بعد امیر معاویہؓ نے یہی طے کیا کہ

"اُن کو قتل نہ کیا جائے بلکہ چھوڑ دیا جائے"،

یہی کیا گیا، مسلمانون نے یہ کہتے ہوئے کہ

وفاءٌ بغدرٍ خیرٌ من غدرٍ بغدرٍ

عہد شکنی کے جواب مین عہد شکنی سے یہ بہتر ہی کہ ہم عہد توڑنے والون کے ساتھ معاہدہ کی پابندی کرین

(البلاذری ص ۱۶۲)

یرغمال والے ان رومیون کو جو بعلبک مین رکھے گئے تھے، رہا کردیا،

بہرحال مخلوقات کی پرستش اور پوجا پاٹ جن عبادتگاہون مین ہوتی ہے، ان کو پیدا کرنے والے خالق تعالیٰ جل مجدہٗ ہی کی عبادت کے لئے مختص کرانے کے نصب العین مین کامیابی کی صحیح تدبیر یہ قطعاً نہین تھی کہ جن عبادتگاہون مین مخلوقات کی عبادت کیجاتی ہے، اُن کو ڈھا دیا جائے، گرا دیا جائےؑ، جلا دیا جائے، انسانی نفسیات کی خصوصیتون سے تھوڑی بہت بھی واقفیت جو رکھتے ہین، وہ اندازہ کرسکتے ہین، کہ اس قسم کے اعمال سے انتقام اور غصہ کے جذبات مین آدمی ڈوب کرتہ و بالا ہونے لگتا ہو، ان ہی اشتعالی جذبات کے تلاطم اور ہنگامون مین حقیقت نگاہون کے سامنے سے ہٹ جاتی ہے، لیکن آپ دیکھ رہے ہین، کہ جس مصر مین آج ازہر اور مسجد ابن طولون وغیرہ کی سہر نما عمارتین کھڑی ہوئی ہین یہ وہی ملک ہے جس کے ان گرجون کو مسلمانون نے ہاتھ بھی نہین لگایا جن مین (العیاذ باللہ) خدا کے بیٹے اور خدا کے بیٹے کی ماں کی پوجا ہوتی تھی، (باقی)

ؑ خود کعبہ کی عبادتگاہ جو تین چار صدیون سے مخلوقات کی پوجا پاٹ کا مرکز بنی ہوئی تھی، اللہ کے آخری رسول نے خالق کی عبادت کے اس پہلے گھر کا تعلق پھر خالق ہی سے قائم کردینے مین جو کامیابی حاصل کی، تو اس وقت بھی اس کے سوا اور کیا گیا کہ مخلوقات کے پوجنے والون کو خالق کا پرستار بنا لیا گیا، ان ہی نے بجائے مخلوقات کے کعبہ کو خالق کی عبادت کا مرکزی مقام بنا دیا، مسلمانون پر بعض عبادتگاہون کی علامتون کی بنیاد پر یہ الزام لگایا جاتا ہے، کہ زبردستی دوسری قومون کی عبادتگاہون کو انھون نے مسجد بنا لیا تھا، ممکن ہو کہ بعض ناواقف مسلمانون نے دین کے احکام سے جہالت کی وجہ سے کبھی ایسا کیا ہو لیکن جہان تک مین نے تحقیق کی ہے، یہی معلوم ہوا کہ کعبہ کے ساتھ جو صورت پیش آئی، یہی صورت عموماً ان عبادتگاہون کی بھی ہے یعنی وہی لوگ جو مخلوقات کی عبادت ان مکانون مین کرتے تھے، خالق کی عبادت اُن مین کرنے لگے،

بابُ المراسلۃ

حیاتِ شبلی کے معلومات مین کچھ اضافے

از

مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب فریدی آستی پوری صدر مدرس شمس العلوم بداون

جناب مکرم :- السلام علیکم،

اس ہفتہ مین مجھے حیاتِ شبلی کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، چند باتین حضرت والا کے گوش گذار کرنا مناسب سمجھا لہٰذا یہ معروضہ حاضر خدمت ہے، امید کہ شرفِ قبول سے بار آور ہوگا،

۱۔ حیاتِ شبلی ص ۲۲ :- بچون کے فارسی ابتدائی رسالہ "آمدنامہ" کو مولانا فضل امام خیرآبادی کی تالیف بتایا ہے، یہ سہوِ قلم ہوا، یہ رسالہ مولوی مصطفےٰ خان صاحب ولد حاجی روشن خان مالک مطبع مصطفائی محمود نگر لکھنؤ کی تالیف ہے،

مولانا فضل امام کا "آمدنامہ" تذکرۂ علماء مین ہے، جس مین قاضی مبارک وغیرہ علماء گوپامئو اور دیگر فضلاء کا ذکر ہے، فنِ منطق مین البتہ ابتدائی رسالہ مولانا کی تالیف ہے جو تقریباً ہر عربی درسگاہ مین داخل درس ہے، جس کا نام "مرقات" ہے، اس کی فارسی اور عربی مین شرح ہین،

۲- مولانا محمد کامل ولید پوری قدس سرہٗ کی ولادت ۱۲۳۶ھ کی ہے، علمائے فرنگی محل سے نقلیہ اور عقلیہ علوم کی تکمیل کی، حضرت سید شاہ عبد العلیم لوہاری قدس سرہ متوفی ۱۲۶۶ھ مدفون بھوپال جہانگیر آباد

کے مرید تھے، جنکا سلسلۂ بیعت قادریہ مجددیہ جو بواسطہ حضرت خواجہ سید آدم بنوری امام ربانی مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہو تعلیماً و للطائفاً نقشبندیہ ہے،

حضرت سید شاہ عبد العلیم لوہاری (ضلع مظفر نگر) حضرت میانجی نور محمد جھنجھانوی قدس سرہٗ متوفی ۱۲۵۹ھ شیخ طریقت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکہ کے سلسلۂ قادریہ کے پیر بھائی تھے، اسی سلسلہ کو "قادریہ مجددیہ آبادانیہ" کہتے ہیں، اس خانوادہ کی خانقاہیں صوبہ بہار، آرہ، دربھنگہ، مونگیر، کشن گنج وغیرہ میں ہیں،

یہ دونوں بزرگ یعنی حضرت شاہ صاحب و میاں صاحب جلال آباد (جو لوہاری سے تین کوس پر ضلع مظفر نگر میں واقع ہے) میں بعد نماز مغرب حضرت امام الزاہدین حافظ شاہ احسان علی فریدی پاکپٹنی سے مرید ہوئے اور نسبت قادریہ اور تعلیمات مجددیہ آبادانیہ حاصل کیں، پھر تکمیل سلوک حضرت حاجی عبد الرحیم سے کی اور اجازت و خلافت سے بہرہ اندوز ہوئے، میانجی علیہ الرحمہ کو خلافت بذریعہ خط ملی جس کی نقل بیاض دلکشا میں مرقوم ہے،

مولانا حاجی نصر اللہ خان خورجوی متوفی ۱۲۹۹ھ شارح رباعیات یوسفی تلمیذ خاص مولانا احمد علی چریا کوٹی خلیفہ حضرت سید شاہ عبد العلیم لوہاری جب حضرت میانجی صاحب سے ملنے گئے، تو ارشاد فرمایا،

"تا دقیکہ اشغال فرمودۂ حضرت شاہ احسان علی رحمۃ اللہ علیہ را نمی کنم طبعم درست و خوش نمی شود" (بیاض دلکشا)

حضرت میانجی قدس سرہ کے اپنے بھتیجے میاں عبد العزیز کو اپنے حکم سے مولانا نصر اللہ خان خورجی علیہ الرحمہ سے مرید کرایا، اور تعلیم سلسلۂ قادریہ مجددیہ آبادانیہ ہو دلائی اور وہ منزل مقصود کو پہنچے اس کا مفصل تذکرہ میانجی صاحب کا مرید ہونا اور خلافت پانا وغیرہ میانجی صاحب کے خطوط بیاض دلکشا (فارسی) مولفہ مولانا نصر اللہ خان خورجوی میں مذکور ہے، نیز آئینہ مبارک مطبوعہ مولفہ مولوی سید حسن رضوی ساکن سہ بھدی بہار جو مولوی حافظ تجمل حسین صاحب ساکن دیسنہ کے ہمشیرزادے تھے مذکور ہے،

۶- مولانا تھانوی کو "تعلیم الدین" میں سہو ہو گیا کہ حضرت میانجی قدس سرہ کو مرید حضرت شاہ رحم علی لکھا[1] حضرت شاہ رحم علی امام الزاہدین حافظ شاہ احسان علی رح کے مرید و مجاز تھے جو میانجی صاحب کے پیر بھائی ہوئے شاہ رحم علی موضع علی پور ضلع سہارنپور کے ساکن تھے، علی پورہ سہارنپور سے غرب کی جانب تین کوس پر ہے، امام الزاہدین کی بیعت حضرت قطب

---

[1] معارف:- تعلیم الدین میں حضرت میانجی کو شاہ رحم علی کا مرید نہیں لکھا ہے، خود مضمون نگار سے سہو ہوا ہے،

ربانی ہوئی شاہ آبادانی سیالکوٹی متوفی ۱۲۲۰ھ مدفون دہلی تھی پر یڈ میدان میں بیش گرجا اسکول جہاں پہلے حضرت کی خانقاہ اور کاغذی محلہ تھا، آپ کا مزار ہے امام الزاہدین کو شاہجہان میں کئی سال رہے یہاں عوام و خواص مستفیض ہوئے اور صبح و شام حلقہ ہوا کرتا تھا اسکی شہرت حضرت سید احمد بریلوی کو ہوئی تو جہاد کی دعوت دی آپ مع خدام تشریف لے گئے

مولانا محمد کامل ۱۲۶۱ھ میں سید شاہ عبد العلیم سے مرید ہوئے اور اپنے پیر بھائی حاجی دیدار علی غازی پوری، اور قاضی عنایت حسین چریا کوٹی سے اخذ فیض کیا،

۴- مولانا تھانوی نے اپنے وعظ و ملفوظ میں ذیل کا شعر ایک بزرگ کے عالم سکرات الموت میں زبان پر جاری ہونا لکھا ہے، اور نام کی تصریح نہیں فرمائی ہے،

وقت آن آمد کہ من عریان شوم   جسم بگذارم سراسر جان شوم

یہ مولانا نواب سید امجد علی صاحب رضوی لکھنوی متوفی ۱۲۳۲ھ مدفون لکھنؤ ہیوٹ اسٹریٹ مقبول گنج بیش مسجد کلاں کا واقعہ ہے جو حضرت شاہ احسان علی پاکپٹنی کے پیر بھائی تھے، نور القلوب تالیف ہے لیکن ابتک طبع نہیں ہوئی ہے، اسی طرح اس سلسلہ کے ایک بزرگ قاضی عنایت حسین چریا کوٹی متوفی ۱۳۰۵ھ کے بوقت نزع یہ مصرع جاری تھا،

"من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی"

مولانا محمد کامل کے خلیفہ آپکے وطن دیسنہ ضلع پٹنہ میں سید اسمٰعیل صاحب تھے، جو سب انسپکٹر تھے،

۵- مناظرہ جو رامپور میں ہوا وہ مابین مولانا فضل حق رامپوری و مولانا حفیظ اللہ محشی تصریح کے ہوا تھا، مولانا عبد الحق خیرآبادی سے، ہاں مولانا عبد الحق خیرآبادی و مولانا سید محمد طیب عرب شریک تھے، اس وقت مدرسہ عالیہ رامپور میں محمد طیب عرب صدر مدرس تھے،

۶- شیخ حبیب اللہ مرحوم والد علامہ شبلی کے پیر مرشد کا صحیح نام "الٰہی بخش" ہے،

گر قبول افتد زہے عز و شرف   والسلام بالاکرام

ادبیات

شمع تمدن کی آخری ضو

از جناب یحییٰ اعظمی

جو ملک مین کل تھے نگہبانِ تمدن
ڈھاتے ہین وہی آج خود ایوانِ تمدن

کلچر کی حفاظت کا تھا دعویٰ جنھین کل تک
صد حیف مٹاتے ہین وہی شانِ تمدن

برباد ہے صدیون کی متاعِ ہنر و علم
پامال ہے ہر سو سر و سامانِ تمدن

تہذیب ہے رخصت تو ثقافت ہے روانہ
ہون مرثیہ خوان کیون نہ محبانِ تمدن

ہے طرفہ ستم یہ کہ ہے مبغوض وہی شے
فی الواقعہ جو ملک مین ہے جانِ تمدن

ہے سب سے زیادہ ہدفِ شیوۂ بیداد
اردو کہ ہے سرچشمۂ فیضانِ تمدن

ہنگامے ہین جس شے کے مٹانے کیلئے آج
سچ پوچھئے تو ہے وہی عنوانِ تمدن

آنکھین ہون تو دیکھو کہ ہے منقوش ابھی تک
اس ملک کے ہر ذرہ پہ احسانِ تمدن

افسوس کہ ہے اب خس و خاشاک سے لبریز
پھولون سے تھا معمور جو دامانِ تمدن

دیکھو تو ہے سرتا بہ قدم وقفِ خزان آج
کل تک تھا گل افشان خیابانِ تمدن

آزادی جمہور کے اس دور مین صد حیف
یہ طرزِ سیاست نہین شایانِ تمدن

گلشن کی فضا مین نہین دمساز و ہم آہنگ
ہین گرم نوا زمزمہ سنجانِ تمدن

صدیون سے تھی جو ہند کی محفل مین ضیا ریز
بجھنے کو ہے وہ شمع شبستانِ تمدن

مطبوعات جدیدہ

نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر | جلد اوّل مؤلفہ مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب مرحوم تقطیع بڑی، ضخامت ۲۵۰ صفحے کاغذ ادنیٰ، ٹائپ عمدہ، قیمت ہے،

پتہ:- مکتبہ اسلام گوئن روڈ، لکھنؤ،

اسلامی ہند کی ہزار سالہ تاریخ مین سرزمین ہندوستان مین بڑے بڑے سلاطین و کشور کشا، وزرا و امرا، مشائخ و صوفیہ، ادبا، و شعرا و ہر فن کے علما، و فضلاء اور ہر صنف کے اصحاب کمال پیدا ہوئے، لیکن ان کا کوئی جامع تذکرہ نہین ہے، اور اُن کی خاصی تعداد ایسی ہے، جن سے بہتیرے خواص اور اہل علم تک ناواقف ہین، اُن کے حالات سیکڑون کتابون مین بکھرے ہوئے ہین، اس لئے اُن کا استقصا بھی آسان کام نہین ہے، مولانا سید عبد الحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلما، لکھنؤ، جامع العلوم تھے، خصوصًا شعر و ادب، تاریخ و جغرافیہ، سیر و سوانح اور طبقات و تراجم پر ان کی نگاہ نہایت وسیع اور گہری اور اردو و عربی ادب و انشاء پر اُن کو یکسان قدرت حاصل تھی، اردو مین تذکرہ گلِ رعنا، اور عربی مین ہندوستان کا جغرافیہ اور اسلامی ہند کی تاریخ جنۃ المشرق و مطلع النور المشرق اس کی شاہد ہین، اس لئے انھون نے اس مہتم بالشان کام کی ہمت کی اور سالہا سال کی محنت و عرقریزی کے بعد عربی مین نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر کے نام سے آٹھ جلدون مین ہندوستان کے علما و مشاہیر کا تذکرہ لکھا، اس کی دوسری جلد جو آٹھوین صدی ہجری کے اکابر کے حالات پر مشتمل ہے، عرصہ ہوا حافظ ابن حجر کی درر کامنہ کے ساتھ اس کے ذیل کے طور پر دائرۃ المعارف حیدرآباد کی جانب سے شائع ہو چکی ہے، اور پہلی جلد کی اشاعت کی نوبت اب آئی ہے،

اس مین پہلی صدی سے لیکر ساتوین صدی تک کے اعیان و اکابر کے حالات ہین، باقی چھ جلدین چھٹی صدی سے لے کر چودھوین صدی تک، ہر جلد ایک ایک صدی کے علماء و عمائد کے حالات پر مشتمل ہے، اس کام کی اہمیت اور مصنف کی وسعت نظر و تلاش و جستجو کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے، کہ اس کتاب کی تالیف مین عربی و فارسی کی تین سو مطبوعہ اور قلمی کتابون سے مدد لی گئی ہے، کوئی قابلِ ذکر شخصیت چھوٹنے نہین پائی ہے، اور ساڑھے چار ہزار اشخاص سے زیادہ کے حالات قلمبند کئے گئے ہین، کتاب کے شروع مین مصنف مرحوم کے خلف الصدق جناب مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ ہے اس مین مصنف کے مختصر حالات اور کتاب کی خصوصیات پر تبصرہ ہے، اس مین آٹھون جلدون کا اجمالی خاکہ آگیا ہے، کتاب کی زبان قدماء کے طرز کی نہایت فصیح و سلیس ہے، یہ کتاب اسلامی ہند کی علمی و سیاسی تاریخ اور عربی طبقات و تراجم مین نہایت بیش قیمت اضافہ ہے، اُمید ہے کہ اہلِ علم کے حلقہ مین اس کے شایان شان قدردانی کیجائے گی،

اردو زبان اور اس کا رسم الخط — جناب سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے، تقطیع بڑی ضخامت ۶۸ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ:- دانش محل، امین الدولہ پارک لکھنؤ،

یہ مصنف کا وہ خطبۂ صدارت ہے، جو انھون نے آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس کے اجلاس ناگپور ۱۹۴۶ء مین بحیثیت صدر شعبۂ اردو پڑھا تھا، اس مین جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، اردو ہندی، اور ان کے رسم الخط کے پرانے قضیہ پر اظہار خیال کیا گیا ہے، خطبہ کے دو حصے ہین، پہلے مین اردو زبان کی مختصر تاریخ اس کی لسانی اہمیت اور علمی و ادبی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور ہندی کی حمایت مین اردو زبان پر جو اعتراضات کئے جاتے ہین اور اس کی مخالفت مین جو دلائل دیئے جاتے ہین، سب کے جوابات اور اردو زبان و ادب کی ترقی کے متعلق بعض مفید علمی مشورے ہین، دوسرے حصہ مین اردو رسم الخط کے جو صوتی و تحریری نقائص اور ہندی رسم الخط کے جو محاسن بیان کئے جاتے ہین، اُن کی مفصل تردید ہے، اس زمانہ مین ایک تجویز یہ بھی تھی، کہ اردو ہندی کے بجائے رومن رسم الخط اختیار کر لیا جائے اس لئے آخر مین اس کے نقائص اور دشواریان بھی دکھائی گئی ہین، غرض آج کل ہندی زبان، اور اس کے رسم الخط کی حمایت اور اردو کی مخالفت مین جو کچھ بھی کہا جاتا ہے، ان سب کا پورا جواب اس خطبہ مین موجود ہے، لیکن واقعات و حقائق اور منطق و دلائل تو اس کے لئے ہین، جو ان کو فیصلہ کا معیار مانتا ہو، لیکن جہان سب سے بڑی دلیل حکومت کی قوت ہو، وہان سارے دلائل بے کار ہین،

مسلمانون کی اصلی طاقت اور ان کے عروج و زوال کے حقیقی اسباب — از مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی استاذ تفسیر ندوۃ العلماء لکھنؤ تقطیع بڑی ضخامت ۴۸ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۸ر، پتہ دفتر الفرقان گوئن روڈ، لکھنؤ،

دنیا کی تمام قومون کے عروج و زوال مین مادی وسائل کے ساتھ اخلاقی قدرون کو بھی بڑا دخل ہے، اور مسلمانون کی ترقی و تنزل کا تو دار و مدار اسی پر ہے، آغاز اسلام مین تعداد کی کثرت اور مادی سر و سامان کے لحاظ سے اس عہد کی دوسری بڑی قومون اور حکومتون کے مقابلہ مین مسلمانون کا کوئی شمار ہی نہ تھا لیکن خدا پر ایمان، اس کے وعدون اور نصرت پر اعتماد، اسلام کی حقانیت و صداقت کا یقین اور اس کی تعلیمات پر عمل نے اُن مین وہ روح پیدا کر دی تھی، کہ وہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو خاطر مین نہ لاتے تھے، اور اسلامی تعلیم کا ایسا عملی نمونہ اور اسلامی اخلاق کی ایسی تصویر تھے کہ انکو دیکھکر دشمن تک مسخر ہو جاتے تھے، ان اوصاف کی بنا پر وہ ایک صدی کے اندر اندر دنیا کے بڑے حصہ پر چھا گئے، اور اس کے گوشہ گوشہ مین اسلام کی روشنی پھیل گئی، لیکن جب سے اسلام کا سر رشتہ اُن کے ہاتھ سے چھوٹا، اور وہ دنیا کو صحیح راستہ پر لگانے کے بجائے خود گمراہی مین مبتلا ہو گئے، اسی وقت سے ان پر ادبار و زوال طاری ہوا، اس کتاب مین لائق مصنف نے

کے عروج وزوال پر تبصرہ کیا ہے، مسلمانون کی اصلاح و ترقی کی ساری مادی تدبیرین آزمائی جا چکین، اور سب ناکام رہین، اور آج بھی اُن کی فلاح و ترقی انہی اعمال کے ذریعہ ہو سکتی ہے، جن سے تیرہ صدی پہلے ہو چکی ہے، آج جب کہ ہندوستان کے مسلمان بڑے نازک دور سے گذر رہے ہین، اُن کی صحیح رہنمائی کے لئے اس قسم کی کتابون کی بڑی ضرورت ہے، اس لئے ہر مسلمان کو اُن کا مطالعہ کرنا چاہئے،

ہم اور تم، از محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ تقطیع اوسط ضخامت ۱۲۶ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ :- دفتر رسالہ عصمت کراچی، نمبر ۳،

لائق مصنفہ رسالہ عصمت کی مشہور اور مشاق مضمون نگار ہین، اُن کی متعدد ادبی تصانیف، افسانون کے مجموعے شائع ہو چکے ہین، ہم اور تم ۸ مختصر افسانون کا نیا مجموعہ ہے، انکے دوسرے افسانون کی طرح ان افسانون مین بھی، انسانی فطرت کے مختلف رخون اور ہندوستانی معاشرت اور گھریلو زندگی کے مختلف پہلوؤن کی نہایت دلچسپ تصویرین ہین، جن سے لطف و تفریح کے ساتھ سبق بھی حاصل ہوتا ہے، ظرافت کی لطیف آمیزش اور زبان کی نفاست و پاکیزگی نے افسانون کے لطف کو اور دوبالا کر دیا ہے،

قواعد الولدان فی تیسیر القرآن | از مولوی حکیم محمد احمد صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۳۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت :- ۲ر

پتہ :- مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڈہ

مصنف مدرسۃ الاصلاح مین مدرس رہ چکے ہین، اُن کو تعلیم کا عملی تجربہ ہے، اس تجربہ کی روشنی مین انھون نے بچون کی قرآن مجید کی تعلیم مین سہولت کے لئے بغدادی قاعدہ کے طرز پر یہ نیا قاعدہ لکھا ہے، جو اس مقصد کے لئے مفید ہے،

"م"

مطبوعات جدیدہ

نزھۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر | جلد اول مؤلفہ مولانا حکیم سید عبد الحیٰ صاحب مرحوم تقطیع بڑی، ضخامت ۲۵۶ صفحے کاغذ ادنیٰ ٹائپ عمدہ قیمت سے ر

پتہ :- مکتبہ اسلام گوئن روڈ، لکھنؤ،

اسلامی ہند کی ہزار سالہ تاریخ مین سرزمین ہندوستان مین بڑے بڑے سلاطین و کشور کشا وزراء و امراء، مشائخ و صوفیہ، ادبار و شعراء اور ہر فن کے علماء و فضلاء اور ہر صنف کے اصحاب کمال پیدا ہوئے، لیکن ان کا کوئی جامع تذکرہ نہین ہے، اور اُن کی خاصی تعداد ایسی ہے، جن سے بہتیرے خواص اور اہل علم تک ناواقف ہین، اُن کے حالات سیکڑون کتابون مین بکھرے ہوئے ہین، اس لئے اُن کا استقصار بھی آسان کام نہین ہے، مولانا سید عبد الحیٰ صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامع العلوم تھے، خصوصاً شعر و ادب، تاریخ و جغرافیہ، سیر و سوانح اور طبقات و تراجم پر ان کی نگاہ نہایت وسیع اور گہری اور اردو و عربی ادب و انشاء پر اُن کو یکسان قدرت حاصل تھی، اردو مین "تذکرہ گل رعنا" و عربی مین ہندوستان کا جغرافیہ اور اسلامی ہند کی تاریخ جنۃ المشرق و مطلع النور المشرق اس کی شاہد ہین، اس لئے انھون نے اس اہتمام بالشان کام کی ہمت کی اور سالہا سال کی محنت و عرقریزی کے بعد عربی مین نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر کے نام سے آٹھ جلدون مین ہندوستان کے علماء و مشاہیر کا تذکرہ لکھا، اس کی دوسری جلد جو آٹھوین صدی ہجری کے اکابر کے حالات پر مشتمل ہے، عرصہ ہوا حافظ ابن حجر کی درر کامنہ کے ساتھ اس کے ذیل کے طور پر دائرۃ المعارف حیدر آباد کی جانب سے شائع ہو چکی ہے، اور پہلی جلد کی اشاعت کی نوبت اب آئی ہے،

اس مین پہلی صدی سے لیکر ساتوین صدی تک کے اعیان و اکابر کے حالات ہین، باقی چھ جلدین چھٹی صدی سے لے کر چودہوین صدی تک ہر جلد ایک ایک صدی کے علماء و عمائد کے حالات پر مشتمل ہے، اس کام کی اہمیت اور مصنف کی وسعت نظر و تلاش و جستجو کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ اس کتاب کی تالیف مین عربی و فارسی کی تین سو مطبوعہ اور قلمی کتابون سے مدد لی گئی ہے، کوئی قابلِ ذکر شخصیت چھوٹنے نہین پائی ہے، اور ساڑھے چار ہزار اشخاص سے زیادہ کے حالات قلمبند کئے گئے ہین، کتاب کے شروع مین مصنف مرحوم کے خلف الصدق جناب مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ ہے، اس مین مصنف کے مختصر حالات اور کتاب کی خصوصیات پر تبصرہ ہے، اس مین آٹھون جلدون کا اجمالی خاکہ آگیا ہے، کتاب کی زبان قدماء کے طرز کی نہایت فصیح و سلیس ہے، یہ کتاب اسلامی ہند کی علمی و سیاسی تاریخ اور عربی طبقات و تراجم مین نہایت بیش قیمت اضافہ ہے، اُمید ہے کہ اہلِ علم کے حلقہ مین اس کے شایانِ شان قدردانی کیجائے گی،

اردو زبان اور اس کا رسم الخط	جناب سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے، تقطیع بڑی ضخامت ۶۸ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۸، پتہ:- دانش محل، امین الدولہ پارک لکھنؤ،

یہ مصنف کا وہ خطبۂ صدارت ہے، جو انھون نے آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے اجلاس ناگپور ۱۹۴۶ء مین بحیثیت صدر شعبۂ اردو پڑھا تھا، اس مین جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، اردو ہندی، اور ان کے رسم الخط کے پرانے قضیہ پر اظہار خیال کیا گیا ہے، خطبہ کے دو حصّے ہین، پہلے مین اردو زبان کی مختصر تاریخ اُس کی لسانی اہمیت اور علمی و ادبی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور ہندی کی حمایت مین اردو زبان پر جو اعتراضات کئے جاتے ہین اور اس کی مخالفت مین جو دلائل دیئے جاتے ہین، سب کے جوابات اور اردو زبان و ادب کی ترقی کے متعلق بعض مفید علمی مشورے ہین، دوسرے حصہ مین اردو

رسم الخط کے جو صوتی و تحریری نقائص اور ہندی رسم الخط کے جو محاسن بیان کئے جاتے ہین، اُن کی مفصل تردید ہے، اس زمانہ مین ایک تجویز یہ بھی تھی، کہ اردو ہندی کے بجائے رومن رسم الخط اختیار کر لیا جائے، اس لئے آخر مین اس کے نقائص اور دشواریان بھی دکھائی گئی ہین، غرض آج کل ہندی زبان، اور اس کے رسم الخط کی حمایت اور اردو کی مخالفت مین جو کچھ بھی کہا جاتا ہے، ان سب کا پورا جواب اس خطبہ مین موجود ہے، لیکن واقعات و حقائق اور منطق و دلائل تو اس کے لئے ہین، جو ان کو فیصلہ کا معیار مانتا ہو، لیکن جہان سب سے بڑی دلیل حکومت کی قوت ہو، وہان سارے دلائل بے کار ہین،

مسلمانون کی اصلی طاقت اور اُن کے عروج و زوال کے حقیقی اسباب	از مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی استاذ تفسیر ندوۃ العلماء لکھنؤ، تقطیع بڑی ضخامت ۴۸ صفحے،

کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۸، پتہ دفتر الفرقان گوئن روڈ، لکھنؤ،

دنیا کی تمام قومون کے عروج و زوال مین مادی وسائل کے ساتھ اخلاقی قدرون کو بھی بڑا دخل ہے، اور مسلمانون کی ترقی و تنزل کا تو دار و مدار اسی پر ہے، آغاز اسلام مین تعداد کی کثرت اور مادی سرو سامان کے لحاظ سے اس عہد کی دوسری بڑی قومون اور حکومتون کے مقابلہ مین مسلمانون کا کوئی شمار ہی نہ تھا، لیکن خدا پر ایمان، اس کے وعدون اور نصرت پر اعتماد، اسلام کی حقانیت و صداقت کا یقین اور اس کی تعلیمات پر عمل نے اُن مین وہ روح پیدا کر دی تھی، کہ وہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو خاطر مین نہ لاتے تھے، اور اسلامی تعلیم کا ایسا عملی نمونہ اور اسلامی اخلاق کی ایسی تصویر تھے کہ انکو دیکھکر دشمن تک مسخر ہو جاتے تھے، ان اوصاف کی بنا پر وہ ایک صدی کے اندر اندر دنیا کے بڑے حصہ پر چھا گئے، اور اس کے گوشہ گوشہ مین اسلام کی روشنی پھیل گئی، لیکن جب سے اسلام کا سررشتہ اُن کے ہاتھ سے چھوٹا، اور وہ دنیا کو صحیح راستہ پر لگانے کے بجائے خود گمراہی مین مبتلا ہو گئے، اسی وقت سے ان پر ادبار و زوال طاری ہوا، اس کتاب مین لائق مصنف نے اسی نقطۂ نظر سے تاریخی واقعات کی روشنی مین مسلمانون

کے عروج وزوال پر تبصرہ کیا ہے، مسلمانون کی اصلاح و ترقی کی ساری مادی تدبیرین آزمائی جاچکین اور سب ناکام رہین، اور آج بھی اُن کی فلاح و ترقی انھی اعمال کے ذریعہ ہوسکتی ہے، جن سے تیرہ صدی پہلے ہوچکی ہے، آج جب کہ ہندوستان کے مسلمان بڑے نازک دور سے گذر رہے ہین، اُن کی صحیح رہنمائی کے لئے اس قسم کی کتابون کی بڑی ضرورت ہے، اس لئے ہر مسلمان کو اُن کا مطالعہ کرنا چاہئے،

ہم اور تم، از محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ تقطیع اوسط ضخامت ۱۹۶ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ۱۲؍، پتہ :- دفتر رسالہ عصمت کراچی، نمبر ۳،

لائق مصنفہ رسالہ عصمت کی مشہور اور مشاق مضمون نگار ہین، اُن کی متعدد ادبی تصانیف، اور افسانون کے مجموعے شائع ہوچکے ہین، ہم اور تم ۱۴ مختصر افسانون کا نیا مجموعہ ہے، انکے دوسرے افسانون کی طرح ان افسانون مین بھی، انسانی فطرت کے مختلف رخون اور ہندوستانی معاشرت اور گھریلو زندگی کے مختلف پہلوؤن کی نہایت دلچسپ تصویرین ہین، جن سے لطف و تفریح کے ساتھ سبق بھی حاصل ہوتا ہے، ظرافت کی لطیف آمیزش اور زبان کی نفاست و پاکیزگی نے افسانون کے لطف کو اور دوبالا کر دیا ہے،

قواعد الولدان فی تیسیر القرآن	از مولوی حکیم محمد احمد صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۳۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت :- ۲؍

پتہ :- مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڈھ،

مصنف مدرسۃ الاصلاح مین مدرس رہ چکے ہین، اُن کو تعلیم کا عملی تجربہ ہے، اس تجربہ کی روشنی مین انھون نے بچون کی قرآن مجید کی تعلیم مین سہولت کے لئے بغدادی قاعدہ کے طرز پر یہ نیا قاعدہ لکھا ہے، جو اس مقصد کے لئے مفید ہے،

"م"

جلد ۶۲ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۶ء عدد ۵

مضامین